ابنِ صفی

جلد نمبر
17

جاسوسی دنیا

53- سرخ دائرہ

54- خونخوار لڑکیاں

55- سائے کی لاش

جاسوسی دنیا نمبر 55

سائے کی لاش

(مکمل ناول)

پیشرس

ابن صفی نے ''سائے کی لاش'' میں ایک بار پھر ثابت کردیا ہے کہ وہ نئی راہیں پیدا کرنے کے عادی ہیں۔ ایک ہی راستہ پر چلنا اس کا شیوہ نہیں ان کے قلم کی عظمتوں کی کہانی آج کے اردو ادب کی تاریخ کا ایک روشن باب ہے۔ وہ مزاح اور تحیر اور حیرت انگیز واقعات کا جو حسین امتزاج پیش کرتے ہیں..... اپنی جگہ پر خود ایک شاہکار کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کہانی میں ڈونگا اور لیڈی تنویر کے کردار نفسیات کے طالب علموں کے لئے ایک درس کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اتنی کردار نگاری صرف عظیم ابن صفی کا حصہ ہے۔ گرانڈیل احمق قاسم اور حمید کی شرارتیں اس بار عروج پر ملیں گی اور آپ قہقہہ لگانے پر مجبور ہوں گے۔

پبلشر

پُراسرار عورت

اس بار بہت زور سے بجلی کڑکی اور گھوڑا گرتے گرتے بچا۔ موسلا دھار بارش ہو رہی تھی۔ اس کے ساتھ ہی ہوا کا زور..... رات کا اندھیرا۔

وہ ایک طوفانی رات تھی مگر شاید گھوڑا بھی طوفان سے کم نہیں تھا۔ وہ اپنے سوار کو اس طرح اڑائے جا رہا تھا جیسے وہ بھی اس ہنگامہ خیز رات کا ایک جزو ہو۔ بیس میل کی مسافت طے کرنے کے بعد بھی اس کے پیر سست نہیں ہوئے تھے۔ اندھیرے میں اس طرح فراٹے بھرنے سے تو یہی معلوم ہو رہا تھا کہ وہ اس کا جانا پہچانا راستہ ہے، سوار کی حالت البتہ ابتر تھی۔ وہ گھوڑے کی گردن سے لپٹا ہوا تھا، اُسے ہوش ہی نہیں تھا کہ لگام کب اور کیسے اُس کے ہاتھ سے نکل گئی تھی۔ ظاہر ہے کہ لگام کہیں گر ہی گئی ہوگی، ورنہ کہیں نہ کہیں گھوڑا اس سے الجھ کر گرا ضرور ہوتا۔

یہی غنیمت تھا کہ سڑک زمین کی سطح سے کافی اونچی تھی اور اس پر پانی نہیں اکٹھا ہوا تھا، ورنہ وہ اس رفتار سے دوڑ بھی نہ سکتا۔

سڑک کے دونوں طرف جنگلوں کے سلسلے پھیلے ہوئے تھے۔ کبھی کبھی بجلی کی چمک ایک لحظہ کے لئے انہیں چونکا دیتی اور پھر وہ اسی گھنے اندھیرے اور بارش کے شور میں کھو جاتے۔

گھوڑے کی ٹاپوں کی ''تڑاک..... تڑاک'' بارش کے شور کے باوجود بھی دور ہی سے سنی جاسکتی تھی۔

گھوڑا دوڑتا رہا۔ بادل چنگھاڑتے رہے اور ہوا کی شائیں شائیں بارش کے شور کو اور زیادہ بھیانک بناتی رہی۔

سوار کو ہوش نہیں کہ گھوڑا کب شہر کی حدود میں داخل ہوا۔ بارش کا ہیجان اب کچھ کم ہو گیا تھا لیکن گھوڑے کی رفتار میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی تھی کیونکہ سڑکیں سنسان پڑی ہوئی تھیں۔ ویسے ابھی اتنی رات نہیں گئی تھی کہ سڑکیں ویران ہو جاتیں۔

بارش اور ہوا کے زور نے بجلی کے تاروں کو جھنجھوڑ ڈالا تھا۔ نتیجے کے طور پر شہر کے بعض حصے بالکل ہی تاریک ہو گئے تھے۔

گھوڑا اب جس حصے سے گذر رہا تھا وہاں زیادہ تر متمول لوگ آباد تھے، وہ ایک عمارت کی کمپاؤنڈ کے پھاٹک میں گھس پڑا۔ اب اس کی رفتار سست ہو گئی تھی، ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اب وہ گر ہی پڑے گا۔ پورٹیکو میں پہنچ کر وہ شاید اپنی پوری قوت سے ہنہنایا اور اس کے حلق سے کربناک آوازیں نکلتی رہیں۔

اچانک تاریک برآمدے میں بہت سے قدموں کی آوازیں گونجنے لگیں۔ کئی ٹارچیں روشن ہوئیں اور کسی عورت کی چیخ سنائی دی۔ ''میرا بچہ۔''

سوار ابھی تک گھوڑے کی گردن ہی سے لپٹا ہوا تھا۔ چار آدمیوں نے اسے اتارا اور گھوڑے نے زمین پر بیٹھ کر اپنی گردن ایک طرف ڈال دی۔

عورت سسکیاں لے رہی تھی۔ کیونکہ اس نے بیہوش نوجوان کا خون میں بھیگا ہوا شانہ دیکھ لیا تھا۔

اُسے ایک کمرے میں لے جا کر مسہری پر ڈال دیا گیا۔ یہ چاروں آدمی خوش پوش اور مہذب تھے۔ انہیں گھر کے ملازموں میں سے نہیں سمجھا جاسکتا تھا، لیکن ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ سب اس عورت کا احترام کرتے ہوں۔ عورت دراز قد اور بھرے ہوئے جسم کی تھی۔ پینتالیس اور پچاس کے درمیان رہی ہو گی۔ چہرہ اس عمر میں بھی پر کشش تھا، لیکن اس پر اذیت

پسندی کی ساری علامتیں موجود تھیں۔ پتلے پتلے بھینچے ہوئے ہونٹ، بھاری جبڑے، چمکیلی اور بے چین آنکھیں جن میں اس وقت آنسو تھے۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اُن سے کوئی غیر فطری فعل سرزد ہو رہا ہو۔ یعنی آنسو ہونے کے باوجود بھی وہ روتی ہوئی سی نہیں معلوم ہو رہی تھی۔

اُن میں سے ایک آدمی نے نوجوان کا زخمی شانہ کھول دیا تھا اور زخم کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے سر اٹھا کر سسکتی ہوئی عورت سے کہا۔

''محترمہ تنویر..... یہ کسی جانور کے دانتوں کے نشانات ہیں۔''

''اوہو.....!'' عورت نے جلدی سے آنسو پونچھ ڈالے اور خود بھی جھک کر خون بھرے ہوئے حصے کو دیکھنے لگی۔

''ہاں یہ دانتوں ہی کے نشانات ہو سکتے ہیں۔'' اس نے پرسکون لہجے میں کہا۔

نوجوان کے جسم کا اوپری حصہ برہنہ کر دیا گیا تھا۔

''آپ باہر تشریف لے جائیے، تاکہ بھیگے ہوئے کپڑے اتار سکیں۔'' ایک آدمی نے عورت سے کہا اور وہ کمرے سے چلی گئی۔

وہ اس کے بھیگے ہوئے کپڑے اتار کر اُسے ایک خشک چادر سے لپیٹنے لگے۔

''کسی جنگلی درندے کے دانت۔'' ایک بڑبڑایا۔

''نہیں! میرا خیال ہے کہ یہ کسی جنگلی درندے کے دانت نہیں ہیں، ورنہ شانے کی ہڈی محفوظ نہ رہتی۔ ہاں بھیڑیئے کے امکانات ہو سکتے ہیں، مگر اپنی طرف کے بھیڑیئے اتنے خطرناک نہیں ہوتے کہ بڑی عمر کے آدمیوں پر اس طرح حملہ کر بیٹھیں۔ ریچھ کے متعلق سوچا بھی نہیں جا سکتا کیونکہ بقیہ جسم بے داغ پڑا ہوا ہے۔ اس کے ناخنوں کی ڈالی ہوئی خراشیں کافی گہری ہوتی ہیں اور حملے کے وقت وہ اپنے بڑے بڑے ناخن ضرور استعمال کرتا ہے۔ دوسرے وحشی درندوں میں تیندوا سب سے زیادہ ہلکا جانور ہے، لیکن اُسکے جبڑوں کی گرفت بھی ہڈیاں توڑ دیتی ہے۔''

''پھر.....!'' ایک آدمی نے سوال کیا۔

''یہ تو حضرت ہوش میں آنے کے بعد بتا سکیں گے۔ کسی کا کہنا ماننا تو جانتے ہی نہیں، جو

دھن سوار ہوئی تو ہوئی۔ اس موسم میں انہیں شکار سے باز رہنے کو کہا گیا۔ پتہ نہیں رائفل کہاں چھوڑی، نوکروں اور خیمے کا کیا حشر ہوا۔''

''محترمہ تنویر بہت پریشان ہیں۔''

''لیکن.....!'' ایک آدمی نے آہستہ سے کہا۔ ''کیا اُنکے چہرے پر پریشانی کے آثار ہیں۔''

''نہیں! وہ اپنے سینے میں فولاد کا دل رکھتی ہیں۔'' ایک آدمی نے درشت لہجے میں کہا۔ ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے اُسے وہ سوال ناگوار گذرا ہو۔ یہ ایک معمر مگر تندرست آدمی تھا۔

وہ پھر بیہوش نوجوان کی طرف متوجہ ہو گیا۔ یہ ایک کافی قبول صورت نوجوان تھا۔ عمر بیس بائیس سے زیادہ نہ رہی ہوگی۔ چہرے پر صحت مندی کے آثار تھے اور جسم گٹھیلا تھا۔ جسم کی بناوٹ یہی کہتی تھی کہ وہ ورزشوں کا عادی ہے۔

''اوہو.....!'' ایک آدمی نے کہا۔ ''ہم کیا کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر کو فون کرنا چاہیئے۔''

اچانک قدموں کی آواز سنائی دی۔ وہ چونک پڑے۔ تنویر کمرے میں داخل ہو رہی تھی۔

''نہیں اب آپ لوگ تکلیف نہ کریں۔ میں خود ہی دیکھ لوں گی۔ آپ اپنے کمروں میں جا سکتے ہیں۔'' اس نے کہا۔

وہ چاروں چپ چاپ باہر نکل گئے۔ اُن کے کمروں میں جانے کا یہ مطلب تھا کہ اب وہ تنویر کی اجازت حاصل کئے بغیر رات بھر کمروں سے باہر نہ نکل سکیں گے۔ ان کے لئے اس عجیب وغریب عورت کی طرف سے یہی حکم تھا۔

تنویر چند لمحے اپنے بیہوش اکلوتے بیٹے کی طرف دیکھتی رہی پھر کمرے سے نکل گئی۔ اُس نے شاید اُن چاروں کی ساری گفتگو سن لی تھی۔

وہ متعدد کمروں سے گذرتی ہوئی ایک نیم تاریک کمرے میں آئی۔ یہاں کے بلب پر کچھ اس قسم کا شیڈ لگایا گیا تھا کہ روشنی ایک محدود دائرے میں تھی۔ جیسے ہی وہ اندر داخل ہوئی ایک تاریک گوشے سے عجیب طرح کی آوازیں آنے لگیں۔ سیٹیاں..... سسکاریاں اور ایسی آوازیں، جو کسی آدمی کے بند ہوتے ہوئے حلق سے نکل رہی ہوں۔

تنویر اس تاریک گوشے کی طرف بڑھی۔ آوازیں پہلے سے بھی زیادہ تیز ہوگئیں، تنویر نے دیوار سے لٹکا ہوا چمڑے کا ایک بڑا سا چابک اتارا اور اُسے تاریک گوشے کی طرف گھمانے لگی۔ ''شائیں.....شائیں.....شائیں.....شائیں۔''

آوازیں آنی بند ہوگئیں اور کمرے میں پھر پہلے ہی کا سا سکوت طاری ہوگیا۔

''مُڈونگا.....!'' تنویر کی آواز کمرے میں گونجی۔ ''میرے بچے کو کسی جنگلی درندے نے زخمی کردیا ہے۔''

''مرجانے دے۔'' تاریک گوشے سے اس قسم کی آواز آئی جیسے ریلوے انجن نے اسٹیم چھوڑی ہو۔

جواب میں تنویر نے پھر اُسی گوشے کی طرف چابک گھمایا اور سناٹا چھا گیا۔

''سن مُڈونگا.....!'' تنویر نے پروقار آواز میں کہا۔ ''تجھے بتانا پڑے گا کہ میرا بچہ کیسے زخمی ہوا ہے۔''

''نہیں بتاؤں گا.....نہیں بتاؤں گا۔'' سیٹیاں اور سسکیاں پھر گونجیں۔

''تو مجھے اپنے پیر نہیں چاٹنے دیتی۔ میں نہیں بتاؤں گا۔''

تنویر نے پھر چابک گھمایا اور تاریک گوشے سے آواز آئی۔ ''مار ڈال..... مجھے مار ڈال۔''

''تجھے بتانا پڑے گا۔'' تنویر غرائی۔

''مُڈونگا.....پیر چاٹے گا۔''

تنویر چند لمحے خاموش رہی۔ پھر اُس نے داہنے پیر سے سینڈول اتار کر اُسے تاریکی کی طرف بڑھادیا۔ وہ خود روشنی میں تھی اور ایک پیر پر کھڑی ہوئی تھی۔

اس کے چہرے پر کچھ اس قسم کے آثار تھے جیسے وہ بڑی کراہیت محسوس کررہی ہو۔ اندھیرے سے عجیب قسم کی غراہٹ بلند ہورہی تھی اور ساتھ ہی ''چپڑ چپڑ'' کی آوازیں جیسے کتا پانی پی رہا ہو۔

''ختم کرو۔'' تھوڑی دیر بعد تنویر نے جھنجھلا کر کہا اور اپنا پیر کھینچ لیا۔ پیر بھیگا ہوا تھا اس نے وہ پیر دوبارہ سینڈل میں نہیں ڈالا اور ساری کو بھی اس طرح ٹخنوں کے اوپر اٹھائے رہی جیسے وہ پیر

کسی بہت ہی گندی چیز میں جا پڑا تھا۔

''شائیں.....!'' اندھیرے میں پھر ایک بار چابک گھمایا گیا اور تنویر غرائی ''مُڈونگا..... باہر نکل۔''

''اندھیرا..... تنوی..... اندھیرا.....!'' وہی سسکارتی ہوئی آواز اندھیرے سے آئی۔

تنویر نے آگے بڑھ کر سوئچ آف کر دیا۔ کمرے کا روشن حصہ بھی تاریک ہو گیا اور تنویر وہاں سے چل پڑی۔ وہ جس کمرے سے بھی گذرتی اُس کا بلب بجھاتی جاتی۔

اس سے تھوڑے ہی فاصلے پر اندھیرے میں کوئی چیز رینگ رہی تھی، جس کے حرکت کرنے سے ایک عجیب سی آواز پیدا ہوتی۔ ''چپٹ..... چپٹ..... چپٹ۔''

زخمی کے کمرے میں پہنچ کر اُس نے وہاں بھی اندھیرا کر دیا اور دروازے کے ایک طرف کھڑی ہو گئی۔ ''چپٹ..... چپٹ۔'' کی آواز اس کمرے میں بھی داخل ہوئی لیکن ٹھیک اسی جگہ غائب بھی ہو گئی جہاں تنویر کھڑی تھی۔

''مُڈونگا..... کیا تو میرے بچے کی بو محسوس کر رہا ہے۔'' تنویر نے کہا۔

''ہاں..... کر رہا ہوں۔''

''دیکھ..... اُسے کیا ہوا ہے۔''

''چپٹ چپٹ۔'' کی آواز پھر کمرے میں گونجنے لگی اور پھر چند ہی لمحوں میں وہی پہلے کا سا سناٹا طاری ہو گیا۔

شاید ایک منٹ بعد سسکاریاں اور سیٹیاں سنائی دینے لگیں۔

''تنویر.....!'' اندھیرے سے آواز آئی۔ ''کتا..... یہ کسی کتے کے دانت ہیں۔ تیرا بچہ مر جائے گا۔''

''کیا بکتا ہے.....!'' تنویر چیخی۔

''ہاں مر جائے گا..... مگر مُڈونگا اُسے بچا سکتا ہے۔ بچا سکتا ہے تنوی۔''

''بچا لے مُڈونگا۔'' تنویر گھگھیائی۔

''مگر میں روزانہ تیرے پیر چاٹوں گا۔''

''اچھا سُور کے بچے۔''

''کتنا زہریلا ہے..... میں رات بھر اس کے زخم چوسوں گا اور یہ صبح تجھے ٹھیک ملے گا۔ یہاں سے چلی جا۔''

''تو رات بھر یہاں اس کمرے میں نہیں رہ سکتا۔'' تنویر نے کہا۔

''اچھا تو پھر میں اسے لے جارہا ہوں۔''

''لیکن اگر اُسے ہوش آ گیا تو۔''

''میرے کمرے میں اندھیرا ہوگا تنوی۔ اگر اُسے ہوش آ گیا تو میں اسے باہر ڈال دوں گا۔''

کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر تنویر نے کہا۔

''اچھا.....تو یہی کر.....لیکن یاد رکھ اگر میرا بچہ مر گیا تو میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گی۔''

جواب میں ایک عجیب سی آواز گونج کر رہ گئی۔ شاید یہ اُس پراسرار ہستی کا قہقہہ تھا۔ تنویر خاموش رہی۔ پھر ''چٹ چٹ'' کی آواز اس کے قریب سے گذر کر کمرے سے باہر جاتی معلوم ہوئی۔ جب آواز آنی بند ہوگئی تو تنویر نے سوئچ آن کر دیا۔

مسہری خالی تھی۔ تنویر نے تشویش آمیز نظروں سے چاروں طرف دیکھا اور ایک کرسی میں گر گئی۔ اس کے چہرے پر گہرے تفکر کے آثار تھے۔

وہ ایک مضبوط دل کی عورت تھی۔ بعض لوگ تو اُسے سکندر تک کہہ بیٹھتے تھے لیکن اس کے چاروں مشیروں نے آج پہلے پہل اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھے تھے پہلی بار اُس کی سسکیاں سنی تھیں۔ اپنے شناساؤں میں وہ ایک پراسرار عورت سمجھی جاتی تھی۔ وہ پراسرار ہی سہی مگر وہ کوئی معمولی عورت نہیں تھی۔ اسکی کئی فیکٹریاں اور ملیں تھیں۔ شہر کی متمول ترین ہستیوں میں شمار ہوتا تھا۔

اُس کا حلقہ احباب محدود تھا۔ چند گنے چنے آدمی اکثر اس کی کوٹھی میں دیکھے جاتے۔ یہ بھی وہ لوگ تھے جنھوں نے زبردستی مادام تنویر سے تعارف حاصل کیا تھا، ورنہ وہ خود کسی سے کبھی نہیں ملتی تھی۔ وہ نہ صرف اپنے ملازموں بلکہ لڑکے کے لئے بھی انتہائی پراسرار تھی۔ اس کی کوٹھی کا ایک حصہ ایسا بھی تھا جہاں کوئی نہیں جانے پاتا تھا اور یہ حصہ وہی تھا جہاں کچھ دیر پہلے چابکوں کی ''شائیں شائیں'' گونجتی رہی تھی۔ تنویر کے علاوہ اور کسی کو بھی علم نہیں تھا کہ وہاں کیا ہے۔ ویسے باورچیوں کو روزانہ تقریباً دس سیر گوشت کے پارچے اس طرح انگاروں پر بھوننے پڑتے تھے کہ

بھن جانے کے بعد اُن سے خون ٹپکتا رہے یعنی آدھ کچے پارچے اور وہ سارے کا سارا گوشت خودتنویر اٹھا کر عمارت کے اس حصے میں لے جایا کرتی تھی۔

اس کے علاوہ آج تک وہاں پرندہ بھی پر نہیں مار سکا تھا۔ اکثر اُس حصے کی طرف سے عجیب وغریب آوازیں لوگ سنتے اور سہم جاتے مگر کسی میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ اس حصے کا راز معلوم کرنے کی کوشش کرتا۔ تنویر کا خوف اس طرح ان لوگوں پر غالب تھا۔

دوسروں پر حکومت کرنے والی تنویر کی یہ رات بڑی بے چینیوں میں گذری جا رہی تھی۔ وہ کبھی اٹھ کر ٹہلنے لگتی ..... کبھی بیٹھ جاتی۔ کبھی کھڑکی کے قریب جا کر کھڑی ہو جاتی اور کمپاؤنڈ میں پھیلے ہوئے اندھیرے میں اس طرح گھورنے لگتی جیسے اُسے کسی کی تلاش ہو۔

اچانک اُس کے کتوں نے آسمان سر پر اٹھا لیا اور تنویر جھپٹ کر ایک الماری کے قریب پہنچی۔ اُسے کھول کر ایک ریوالور نکالا۔ کمرے کی روشنی گل کر دینے کے بعد وہ پھر کھڑکی کے قریب آ گئی۔ کتے بدستور بھونکے جا رہے تھے۔

آج یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ کتے روز ہی رات کو اسی طرح اچانک بھونکنے لگتے تھے لیکن اس سے پہلے کبھی تنویر کو ریوالور نکالنے کی ضرورت نہیں پیش آئی تھی۔

دو بج گئے تنویر ابھی تک جاگ رہی تھی وہ اپنے لڑکے عدنان کے لئے بہت پریشان تھی اور ایک فکر مند ماں کی طرح بہتیری اچھی اور بُری باتیں سوچ رہی تھی۔

اچانک اُس نے عدنان کی چیخیں سنیں، روشنی لاؤ..... میں کہاں ہوں..... یہاں بہت اندھیرا ہے..... کیا میں اندھا ہو گیا ہوں۔''

آواز بڑی تیزی سے قریب آتی جا رہی تھی۔ دوسرے ہی لمحے میں تنویر راہداری میں تھی۔ وہ دوڑتی ہوئی عمارت کے اُسی پراسرار حصے کی طرف جا رہی تھی جہاں اُس نے کسی پر چابک برسائے تھے۔ تاریک راہداریاں منور ہوتی چلی گئیں۔ پھر اُسے عدنان نظر آیا۔ جو ایک دیوار کا سہارا لئے لڑکھڑاتا ہوا چل رہا تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔

''عدنان.....!'' تنویر چیخی اور عدنان نے آنکھیں کھول دیں۔ وہ سیدھا کھڑا ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔ تنویر نے آگے بڑھ کر اُسے سہارا دیا۔

''تو میں گھر ہی میں ہوں۔'' عدنان کے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

اچانک ایسا معلوم ہوا جیسے تنویر یکلخت بدل گئی ہو۔ اس نے پیشانی پر بل ڈال کر کہا۔

''میں تم سے بہت ناراض ہوں عدنان۔''

''نہیں! ممی ڈیئر! تمہیں خوش ہونا چاہئے کہ میں واپس آ گیا۔ میرا گھوڑا کہاں ہے اور میری رائفل۔''

''گھوڑا اصطبل میں ہوگا..... رائفل کے متعلق مجھے علم نہیں۔ میں نے تمہیں اس شکار سے باز رکھنے کی کوشش کی تھی۔''

''کیا تمہیں علم تھا ممی کہ مجھے یہ حادثہ پیش آئے گا۔'' عدنان نے اُسے گھور کر پوچھا۔

''چلو..... اپنے کمرے میں چلو۔ تم کمزوری محسوس کر رہے ہو۔''

''میری بات کا جواب دو ممی..... کیا تمہیں علم تھا۔''

''شٹ اَپ.....''

عدنان خاموش ہو گیا۔ لیکن اُس کے چہرے پر پائے جانے والے آثار یہی کہہ رہے تھے کہ وہ اپنی ماں کی ڈکٹیٹر شپ پسند نہیں کرتا۔ وہ اُسے اُسی کمرے میں لائی جہاں کچھ دیر قبل خود بیٹھی تھی اور اُسے آرام کرسی میں دھکیلتی ہوئی بولی۔ ''مجھے بتاؤ کہ یہ سب کچھ کیسے ہوا۔''

''مجھے یاد نہیں..... اوہ ممی..... اب میں سونا چاہتا ہوں۔ اف فوہ..... کتنی جلن ہے میرے شانے میں۔''

''تم مجھے بتائے بغیر نہیں سو سکو گے، مجھے تمہاری یہ خودسری بالکل پسند نہیں ہے۔''

''سونے کی خواہش کرنا خودسری نہیں ہے۔ تم اب تک کیوں نہیں سوئیں۔''

''میری بات کا جواب دو۔ تم بہت بدتمیز ہوتے جا رہے ہو۔''

''میں شاید موت کے منہ سے نکل کر آیا ہوں ممی!'' عدنان نے خشک لہجے میں کہا۔

''ہاں میں جانتی ہوں..... مجھے اس کے متعلق بتاؤ۔''

''صبح بتاؤں گا..... اب مجھے سونے دو۔''

''تم بتائے بغیر نہیں سو سکتے۔ اگر مجھے تیسری بار بھی یہی دہرانا پڑا تو میں بہت بُری طرح

پیش آوٗں گی۔ موت کے منہ میں جانا اور نکل آنا مردوں ہی کا کام ہے۔ اگر تم لڑکی ہوتے تو میں کچھ پوچھے بغیر ہی تمہیں تھپک کر سلا دیتی۔"

"میں نہیں جانتا کہ ماں کی شفقت کس چڑیا کا نام ہے۔" عدنان بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

"تم حقیقتاً بہت بدتمیز ہوتے جا رہے ہو۔ میں تم سے کبھی نہ بولوں گی۔" تنویر نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"اوہو! ممی خفا ہو گئیں۔" عدنان بے بسی سے بولا۔ "بیٹھ جاؤ..... بتاتا ہوں..... میں تنہا شکار کے لئے نکل گیا تھا۔ نوکر خیمے میں تھے اور خیمہ مجھ سے تقریباً ڈیڑھ میل کے فاصلے پر تھا۔ ایک کتے نے پیچھے سے گھوڑے پر حملہ کیا اور گھوڑا ابدک کر بھاگا۔ میں نے مڑ کر دیکھا، وہ کوئی جنگلی کتا نہیں معلوم ہوتا تھا..... حقیقتاً کسی کا پالتو تھا۔ مگر جنگل میں۔ میرا مطلب ہے کہ دیہی آبادیوں میں ایسے کتے نہیں دکھائی دیتے۔ میرا گھوڑا بے تحاشہ دوڑ رہا تھا، لیکن کتے سے اس کا فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔ ایک بار کتے نے چھلانگ لگائی اور مجھ پر آ رہا۔ شاید اس کا حملہ میری گردن ہی کے لئے تھا۔ لیکن اس کے دانت شانے ہی میں اترتے چلے گئے۔ مجھے اچھی طرح یاد نہیں ہے کہ میں نے اُسے کس طرح جھٹک دیا تھا۔ گھوڑا دوڑتا ہی رہا..... پھر بارش شروع ہو گئی۔ نہ جانے کیوں مجھ پر غشی سی طاری ہوتی جا رہی تھی۔ پھر مجھے یاد نہیں کہ کیا ہوا..... یہ بتاؤ میرا گھوڑا زندہ ہے یا مر گیا۔"

"مجھے علم نہیں ہے۔"

"علم ہونا چاہئے..... ممی وہ ایک بڑا شاندار گھوڑا ہے۔ اسی نے آج میری جان بچائی ہے۔"

"وہ کتا کیسا تھا.....؟"

"اوہ..... وہ..... اس کا رنگ سیاہ تھا..... اور جسم کی بناوٹ گرے ہاؤنڈ کی سی تھی۔ لیکن میں نے آج تک سیاہ رنگ کا گرے ہاؤنڈ نہیں دیکھا۔"

"کیا اس کے سر پر سفید دھاریاں بھی تھیں۔"

عدنان تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "میں نے اتنے غور سے نہیں دیکھا تھا۔ ہوسکتا ہے دھاریاں رہی ہوں..... اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ نہ رہی ہوں۔"

''ٹھیک ہے..... تمہیں اتنا ہوش کہاں رہا ہوگا کہ یہ دیکھتے۔'' تنویر نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

''تم تو کسی ننھی سی بچی کی طرح خوفزدہ ہو گئے تھے۔ عدنان کیا تمہیں ریوالور کی مشق نہیں ہے۔''

''ہے کیوں نہیں..... کیا تم یہ سمجھتی ہو ممی کہ میں ڈر کر بھاگا تھا۔ گھوڑا بے قابو ہو گیا تھا۔ پھر طوفان آ گیا۔ اگر تم اس طرح طنز کرو گی تو میں ابھی اور اسی وقت شکار گاہ واپس جاؤں گا۔''

''خاموش بیٹھو۔'' تنویر نے اُسے جھڑک دیا۔ چند لمحے چپ رہی پھر پوچھا۔ ''اس کتے کے ساتھ کوئی آدمی بھی نظر آیا تھا۔''

''میں نہیں دیکھ سکا۔'' عدنان نے جواب دیا پھر بولا۔ ''کیا تم اس کتے کے متعلق کچھ جانتی ہو۔''

''کیوں.....؟'' تنویر اُسے گھورنے لگی۔

''تم نے ابھی سفید دھاریوں کے متعلق پوچھا تھا۔''

''کچھ نہیں..... یونہی۔''

''مجھے بتاؤ کہ وہ کس نسل کا کتا تھا۔''

''میں نہیں جانتی، لیکن اب تم میری اجازت کے بغیر گھر سے باہر نہیں نکلو گے..... سمجھے!''

''کیوں..... مجھے وجہ بتاؤ۔''

''تم واقعی بہت بدتمیز ہوتے جارہے ہو۔''

''ممی ڈیئر! تم ذرا ذرا سی بات پر خفا ہو جاتی ہو۔ میں تمہاری پریشانی کی وجہ معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ تم کئی دنوں سے پریشان نظر آ رہی ہو۔''

''تم مجھے پریشان نہیں دیکھنا چاہتے..... کیوں؟''

''قدرتی بات ہے ممی۔''

''اچھا تو میں اس طرح خوش رہ سکتی ہوں کہ تم میرے کہنے پر عمل کرو۔''

''یعنی تمہاری اجازت کے بغیر گھر سے باہر قدم نہ نکالوں۔''

''ہاں..... میں یہی چاہتی ہوں۔''

عدنان نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ ''تم نے مجھے وہاں اندھیرے میں کیوں ڈال دیا تھا۔''

''ڈاکٹر نے یہی کہا تھا کہ تمہیں اندھیرے میں ہوش آنا چاہئے۔''

''اندھیرا تو میرے کمرے میں بھی ہوسکتا ہے۔''

''تم پھر بحث کرنے لگے۔''

''ہاں تو میں تم سے کچھ پوچھا ہی نہ کروں۔'' عدنان نے شکایت آمیز لہجے میں کہا۔

''نہ پوچھا کرو۔''

''تم ابھی تک مجھے ایک ننھا سا بچہ سمجھتی ہو۔ یہ مجھے پسند نہیں ہے۔''

''میری پسند تمہاری پسند ہے..... اُسے ہمیشہ یاد رکھنا۔ اب سوجاؤ۔'' تنویر اٹھتی ہوئی بولی۔

عدنان خاموش ہی رہا۔ اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا تھا اور اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

تنویر اُس کے کمرے سے نکل کر پھر عمارت کے اُسی حصے کی طرف جا رہی تھی۔ دروازے پر پہنچ کر وہ رک گئی۔

''مُدونگا! مُدونگا۔'' اُس نے آہستہ سے آواز دی۔ لیکن اندر سے کوئی جواب نہ ملا۔ دو تین بار آواز دینے کے بعد وہ پھر رہائشی حصوں کی طرف پلٹ آئی۔

اب پھر بونداباندی شروع ہوگئی تھی اور آسمان بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ تنویر بیرونی برآمدے میں نکل آئی۔ کمپاؤنڈ سنسان پڑا تھا۔ درختوں سے بوندوں کے گرنے کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں اور ہوا سائیں سائیں کرتی ہوئی گذر رہی تھی۔

تنویر نے برآمدے کے بلب نہیں روشن کئے۔ وہ ٹٹولتی ہوئی آگے بڑھی اور ایک آرام کرسی میں لیٹ گئی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ صبح چوکیدار کی بُری طرح خبر لے گی کیونکہ اُن میں سے شاید ایک بھی نہیں جاگ رہا تھا۔

ریوالور تنویر کی گود میں رکھا ہوا تھا۔ آج سے پہلے کبھی وہ اس طرح برآمدے میں آ کر نہیں بیٹھی تھی۔ نینداس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی اور ذہن مختلف قسم کے خیالات میں بُری طرح الجھا ہوا تھا مگر وہ خائف نہیں تھی۔

وہ بڑی پراسرار عورت تھی۔ اُس کا لڑکا عدنان بھی اُس کے کسی راز سے واقف نہیں تھا۔ وہ

نہیں جانتا تھا کہ اُس کی ماں کون ہے! کیا ہے؟ وہ اپنے باپ کے متعلق بھی کچھ نہیں جانتا تھا۔ حد یہ ہے کہ اُسے اپنے باپ کا نام تک نہیں معلوم تھا۔

ہم شکل مردہ

کرنل فریدی آفس میں اپنی میز پر اخبار پھیلائے بیٹھا تھا۔ حمید اور رمیش اپنی میزوں پر تھے۔ رمیش کاغذات میں الجھا ہوا تھا اور حمید..... وہ تو اب محض فریدی کو چڑھانے کے لئے ''فوٹو پلے پن اپ'' کے پرچے آفس میں بھی لانے لگا تھا۔ اس وقت بھی وہ پرچے کی ورق گردانی کر رہا تھا۔ اس میں ہالی وڈ کی ایکٹریسوں کی نئی نیم عریاں تصاویر تھیں۔ کبھی کبھی وہ دور ہی سے رمیش کو بھی کوئی پوز دکھانے لگتا۔ فریدی اخبار میں محو تھا۔

اچانک لیڈی انسپکٹر ریکھا کمرے میں گھس آئی۔ اُس کا چہرہ سرخ تھا اور سانس پھولی ہوئی تھی۔ وہ آتے ہی اخبار پر جھک پڑی۔

فریدی نے اُسے تیکھی نظروں سے دیکھا۔ اُسے ریکھا سے ایسی بے تکلفی کی توقع نہیں تھی۔ آج وہ اجازت لے کر بھی کمرے میں داخل نہیں ہوئی تھی۔''

''کیا بات ہے۔''

''اوہ..... میں معافی چاہتی ہوں۔'' ریکھا سٹپٹا گئی۔ ''لیکن بات ایسی ہی ہے۔''

''کیا بات ہے..... بیٹھ جاؤ۔'' فریدی نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

حمید نے میز کی دراز سے دو تین پرچے اور نکال لئے۔ آج کل ریکھا سے اُس کی بول چال نہیں تھی اور جھگڑے کی وجہ قاسم تھا۔ قاسم آج کل زیادہ تر حمید ہی کے ساتھ رہتا اور ریکھا پر خاص طور سے اس کی نظر عنایت تھی بلکہ وہ حمید کے ساتھ اپنا زیادہ تر وقت اسی لئے گذارتا تھا کہ شاید ریکھا کا دیدار ہی نصیب ہو جائے مگر ایسا بہت کم ہوتا تھا۔

اس جھگڑے سے پہلے وہ تینوں کبھی کبھی کیفے یا ہوٹل میں مل بیٹھا کرتے تھے۔ ریکھا قاسم

کی حماقتوں سے کافی محظوظ ہوتی، لیکن ایک دن جب حمید اور ریکھا آرلکچو میں بیٹھے غپیں مار رہے تھے۔ قاسم آ گیا اور اچانک ریکھا کی نظر قاسم کی کوٹ کی جیبوں پر پڑی، جو رہ رہ کر پھولتی اور پچکتی ہوئی سی معلوم ہونے لگتی تھیں۔ ریکھا کے استفسار پر قاسم نے بتایا کہ وہ خرگوش کے بچے لئے پھر رہا ہے کیونکہ ریکھا کو خرگوش بہت پسند ہیں۔ شائد ریکھا نے پہلے کبھی کسی موقعہ پر کہا تھا کہ اُسے خرگوش بہت پسند ہیں۔ اگر امکان میں ہو تو وہ سارا دن خرگوشوں سے کھیلتی رہے۔

قاسم نے اُسے بتایا کہ اُسے بھی خرگوشوں سے اتنی ہی محبت ہے۔ اس سلسلے میں اس نے شاید بوکھلاہٹ میں یہ بھی کہہ دیا کہ اسے ریکھا سے بھی اتنی ہی محبت ہے، ریکھا اس پر اکھڑ ہی گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قاسم کی گھگھی بندھ گئی اور حمید اس کی صفائی پیش کرنے لگا۔ پھر بات اتنی بڑھی کہ دونوں میں لڑائی ہوگئی۔ اُسی دن سے دونوں میں بول چال بند تھی۔

''ہاں.....!'' فریدی اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ''کیا اس اخبار میں کچھ ہے۔''

''جی ہاں..... میں اس تصویر کے متعلق کچھ کہنا چاہتی ہوں۔'' ریکھا نے اخبار کی ایک تصویر کی طرف اشارہ کیا۔

''اوہ..... یہ ..... ہاں..... کیوں؟ یہ سعید بابر کی تصویر ہے، جو ابھی حال ہی میں جنوبی افریقہ سے یہاں آیا ہے۔''

حمید نے بہت زور سے اپنے گال پر تھپڑ مارا اور پھر رمیش کو غصیلے انداز میں گھونسہ دکھانے لگا..... فریدی اُسے کنکھیوں سے دیکھ کر پھر ریکھا کی طرف دیکھنے لگا۔

''اگر میں یہ کہوں کہ میں نے کچھ دن پہلے اس آدمی کی لاش دیکھی تھی تو.....!'' ریکھا جملہ پورا نہ کر پائی کیونکہ حمید رمیش کو مخاطب کر کے بلند آواز میں کہہ رہا تھا۔ ''اس اطلاع پر میں اپنا سر بھی منڈوا سکتا ہوں۔''

''فی الحال تم باہر چلے جاؤ۔'' فریدی غرایا۔

''بہت بہتر جناب۔'' حمید پن اَپ کے پرچے سنبھالتا ہوا اٹھنے لگا۔ وہ فرش پر گر گئے۔ حمید انہیں اٹھانے کیلئے جھکا۔ کئی پرچے کھل گئے تھے جن میں بڑی بڑی نیم عریاں تصویریں تھیں۔

''گٹ آؤٹ۔'' فریدی جھلا گیا اور حمید پرچوں کو وہیں فرش پر چھوڑ کر باہر نکل گیا۔

''رمیش.....!'' فریدی نے کہا۔ ''انہیں سمیٹ کر باہر پھینک دو۔''

رمیش اٹھ کر پرچے سمیٹنے لگا اور فریدی نے ریکھا سے کہا۔ ''ہاں تم کیا کہہ رہی تھیں۔''

ریکھا، جو رمیش کو پرچے سمیٹتے دیکھ رہی تھی چونک پڑی۔ ''جی ہاں! آپ یقین کیجئے میں نے اس کی لاش دیکھی تھی۔''

''کب دیکھی تھی.....اور پھر تم یہ کیسے کہہ سکتی ہو کہ یہ اُسی کی لاش رہی ہوگی۔''

''اگر وہ محض مشابہت تھی تو مجھے حیرت سے بھی زیادہ کچھ اور ہونا چاہئے۔''

''ہاں.....آں.....اکثر ایسی مشابہتیں بھی ہوتی ہیں۔ خود میرے تجربے میں ایسے واقعات آئے ہیں۔ میرے کئی کیسوں میں ایسی شکلیں سامنے آ چکی تھیں۔''

''مگر جناب! وہ مشابہت ہی سہی۔ میں نہ جانے کیا محسوس کر رہی ہوں۔''

''اس لائن میں آگے بڑھنے کی صلاحیت تم میں بدرجہ اتم موجود ہے۔'' فریدی نے کہا۔

''ہم اسے چھٹی حس کہتے ہیں۔ خیر تم کیا محسوس کر رہی ہو۔''

''دیکھئے بتاتی ہوں۔'' ریکھا نے کہا پھر رمیش کیطرف دیکھ کر بولی۔ ''تم نے بھی اس مفلوج فقیر کو صدر کے علاقے میں کہیں کہیں ضرور دیکھا ہوگا، جو بڑی عجیب قسم کی دعائیں دیا کرتا تھا۔''

''جی ہاں.....میں نے دیکھا ہے۔'' رمیش نے جواب دیا۔

''ذرا یہ تصویر دیکھنا۔''

''رمیش اٹھ کر میز کے قریب آ گیا۔ کچھ دیر تک سر جھکائے تصویر کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر بولا۔ بڑی مشابہت ہے بلکہ بعض حالات میں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ دونوں میں سرمو فرق نہیں۔''

''مگر یہ فقیر تمہیں یاد کیسے رہ گیا۔ دن بھر سینکڑوں فقیر تمہاری نظروں سے گذرتے ہوں گے۔''

''جناب! وہ فقیر ہی عجیب ہے۔'' رمیش نے کہا۔

''ہے نہیں بلکہ تھا.....کیونکہ میں اس کی لاش دیکھ چکی ہوں۔''

''کب.....کیا وہ مر گیا۔'' رمیش نے پوچھا۔

''غالباً پچھلے ہفتے کی بات ہے۔ پھر میں نے اس آدمی کو۔'' ریکھا نے تصویر کی طرف اشارہ کیا۔ ''کل شام ایک کار سے اترتے دیکھا۔ اگر میں اس فقیر کی لاش نہ دیکھ چکی ہوتی تو.....

آپ خود سوچئے۔''

''ہُم ..... مجھے بتاؤ کہ وہ فقیر عجیب کیوں تھا۔''

ریکھا اور رمیش ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر رہ گئے۔ پھر رمیش نے کہا۔ ''حمید بھائی نے بھی اس فقیر کو دیکھا ہوگا۔ وہ بہت اچھی طرح بتا سکیں گے۔''

''حمید کو بلاؤ۔''

سارجنٹ رمیش باہر چلا گیا اور فریدی کچھ سوچنے لگا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ بہ جبر واکراہ اس معاملے میں دلچسپی لے رہا ہے۔ ریکھا نے جتنے جوش وخروش کے ساتھ تذکرہ چھیڑا تھا اس کی مناسبت سے وہ توجہ بھی دے رہا تھا۔ اگر وہ اسے کوئی اہمیت نہ دیتا تو ریکھا کو خواہ مخواہ شرمندگی ہوتی۔ وہ حمید کی آمد کا منتظر رہا۔

حمید رمیش کے ساتھ واپس آیا۔ شاید اس نے فریدی کی جھڑکیوں کا بُرا نہیں مانا تھا کیونکہ وہ اُس وقت بھی بڑے اچھے موڈ میں نظر آ رہا تھا۔ حالانکہ ریکھا سے بول چال بند تھی اس نے آتے ہی ریکھا سے کہا۔

''خواہ مخواہ..... بات کا بتنگڑ بنانے سے کیا فائدہ۔ میں نے بھی اخبار میں سعید بابر کی تصویر دیکھی تھی اور خاموش رہ گیا تھا۔''

''یہاں مسئلہ زیر بحث یہ ہے کہ وہ فقیر اتنی شدت سے لوگوں کے ذہنوں پر کیوں مسلط تھا۔'' فریدی نے کہا۔

''کیا ان لوگوں نے نہیں بتایا۔'' حمید بولا۔

''ان کا خیال ہے کہ تم ان سے بہتر طریقے پر بتا سکو گے۔''

''ہا.....!'' حمید سر کھجا کر بولا۔ ''وہ کچھ اس انداز میں بھیک مانگتا تھا کہ لوگ کھڑے گھاٹ شادیاں کرنے پر تل جاتے تھے۔ آپ سنتے تو اُسے گولی ہی مار دیتے۔''

''کیا بکواس ہے۔''

''جی ہاں..... اس کی صدا ہوتی تھی دے جا بابا..... خدا تیری محبوبہ کو سلامت رکھے۔ تندرست رکھے۔ وہ کبھی بوڑھی نہ ہو..... بچے نہ جنے.....وغیرہ وغیرہ۔''

فریدی نے رمیش کی طرف دیکھا اور رمیش نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ ریکھا کھڑکی کے باہر دیکھنے لگی تھی۔

''مگر کیا یہ کوئی کیس بن رہا ہے۔'' حمید نے بُرا سا منہ بنا کر پوچھا۔

''شاید بن ہی جائے۔'' فریدی نے تصویر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''اوئے..... پن اپ کے پرچے کیا ہوئے۔'' حمید نے رمیش سے پوچھا۔

''باہر پھینک دیئے۔''

''کیا.....؟'' حمید نے آنکھیں نکالیں۔

''کرنل صاحب نے کہا تھا۔''

''تم یہاں آفس میں اس قسم کی لغویات مت لایا کرو۔'' فریدی نے سخت لہجے میں کہا۔

''ایک کیس کے سلسلے میں لایا تھا جناب۔'' حمید نے بڑی سنجیدگی سے کہا اور ریکھا مسکرا پڑی۔ لیکن اس نے منہ بھی پھیر لیا کہ کہیں حمید کی نظر اس کی مسکراہٹ پر نہ پڑ جائے۔

''ہاں تو فقیر کی لاش بھی تم نے دیکھی تھی۔'' فریدی نے کہا۔

''جی..... جی ہاں..... غالباً وہ سردی سے اکڑ کر مر گیا تھا۔ اسکی دونوں ٹانگیں بیکار تھیں۔''

''اچھا..... اور کیا بتا سکتی ہو اس کے متعلق۔''

''اور کیا! اور تو کوئی خاص بات نہیں ہے۔ میں نے اس کی لاش سات جنوری کی شام کو دیکھی تھی۔''

''اچھا تو بس.....!'' فریدی نے سگار کیس سے سگار نکال کر اس کا گوشہ توڑتے ہوئے کہا۔ ''یہ ایک حیرت انگیز واقعہ ضرور ہے، مگر ایسا بھی نہیں ہوسکتا ہے کہ ہمارا محکمہ اس میں دلچسپی لینے پر مجبور ہو۔''

''مگر یہ سعید بابر افریقہ سے آیا۔'' ریکھا نے کہا۔

''تو کیا ہم پر احسان کیا ہے۔'' حمید گردن جھٹک کر بولا۔ ''آیا ہوگا۔''

''میں آپ سے بات نہیں کر رہی ہوں۔''

''میں بھی سن رہا ہوں..... بہرا نہیں ہوں۔''

فریدی کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر اخبار پڑھنے لگا تھا۔ ریکھا اٹھ کر چلی گئی اور حمید اس کی چال کی نقل اتارنے کے سلسلے میں لچکنے لگا۔ اس دوران میں رمیش بھی شاید کسی کام سے باہر چلا گیا تھا۔

''تم سے میں عاجز آ گیا ہوں۔'' فریدی نے اخبار رکھتے ہوئے کہا۔

''عاجزی اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔ یقیناً آپ مقبول بندے معلوم ہوتے ہیں۔''

''کیوں! آج کہیں سے بھیک مل رہی ہے۔ بہت چہک رہے ہو۔''

''حیلہ روزی بہانہ موت۔ آج کل قاسم کی دو تین خالہ زاد سالیاں مجھ پر بہت مہربان ہیں اور میں اب اس کا قائل ہو گیا ہوں، خواہ بیوی نہ ہو، لیکن ایک آدھ سالی ضرور ہونی چاہئے۔ کتنی نغمگی ہے اس لفظ میں ''سالی''.....سا.....لی.....سا.....لی.....!''

حمید اس طرح سالی سالی کی ہانک لگانے لگا جیسے اپنی پالتو کتیا کو آواز دے رہا ہو۔

فریدی نے نہایت اطمینان سے اٹھ کر اس کے دونوں کان پکڑے اور اُسے دروازے کی طرف گھما کر کمر پر ایک لات رسید کر دی۔ حمید سنسان برآمدے میں دور تک دوڑتا چلا گیا۔ پھر اُسی رفتار سے لان کی طرف گھوم گیا اور اب وہ بڑے اطمینان سے ٹہلتا ہوا اُدھر جا رہا تھا جہاں فریدی کی کار کھڑی کی جاتی تھی۔ اُسے علم تھا کہ فریدی ڈیڑھ بجے کے بعد باہر جائے گا لیکن اس کے باوجود بھی وہ اُس کی کار لے اڑا۔ آخر اس لات کا بدلہ بھی تو ہونا چاہئے تھا۔

اس نے قاسم کے گھر کی راہ لی جہاں آج کل قاسم کی بیوی کی تین عدد خالہ اور ماموں زاد بہنیں مقیم تھیں۔ یہ تینوں ہی بڑی زندہ دل اور خوش مزاج تھیں۔ ویسے قاسم جیسے شخص کی ہم نشینی نے ان صفات کو اور زیادہ چمکا دیا تھا۔

وہاں ہر وقت ہی کوئی نہ کوئی تفریح ہوتی رہتی تھی۔ مگر اس وقت کی تفریح قطعی خلاف توقع تھی۔ اُس نے قاسم کو پورچ میں چت پڑا دیکھا جس کے پیٹ پر ایک بہت بڑا پتھر رکھا ہوا تھا۔ پتھر کیا چٹان کا ٹکڑا کہنا چاہئے جس کا وزن کم از کم پچاس من ضرور رہا ہوگا اور اس پتھر پر قاسم کے دونوکر بڑے بڑے ہتھوڑے برسا رہے تھے۔

قاسم کی سالیاں اوپر برآمدے میں حیرت سے منہ کھولے کھڑی تھیں۔ ان کے قریب اس

کی بیوی بھی تھی مگر اس کا موڈ ٹھیک نہیں معلوم ہوتا تھا۔ وہ آج بھی وہی ننھی منی سی گڑیا لگ رہی تھی۔ ایسی خوبصورت عورت حمید کی نظر سے کم گذری تھیں۔ مگر بیچارہ قاسم کیا کرتا۔ اس کا تو پہاڑ اور گلہری والا معاملہ تھا۔ وہ تو کوئی اپنی ہی جیسی گرانڈیل لڑکی چاہتا تھا۔

حمید کار سے اُتر کر سیدھا پورٹیکو کی طرف چلا گیا۔ قاسم ہتھوڑا برسانے والے نوکروں پر بگڑ رہا تھا۔

"اور زور سے.....ابے سالو! کیا کھانے کو نہیں ملتا۔"

"ایک سر پر بھی جمادو.....دیکھا جائے گا۔" حمید نے کہا۔

"ارے خدا تمہیں غارت کرے تم آ گئے۔" قاسم نہ جانے کیوں بوکھلا گیا۔

"ہاں میں آ گیا ہوں اور اس پتھر پر کھڑا ہو کر ایک تقریر کروں گا۔"

"ہائیں.....آؤ اچھا.....تم بھی کیا یاد کرو گے۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں کمزور ہوں۔" قاسم نے کہا اور پھر نوکروں کو مخاطب کر کے دہاڑا۔ "ہٹ جاؤ بے۔"

نوکر ہٹ گئے اور حمید پتھر پر چڑھنے کی کوشش کرنے لگا۔ بڑی مشکل سے اُسے کامیابی ہوئی۔ قاسم کی سالیاں بے تحاشہ ہنس دی تھیں اور بیوی!.....وہ بیچاری تو حمید کی صورت دیکھتے ہی وہاں سے کھسک گئی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اب قاسم کی خیر نہیں۔ آخر کو بیوی ہی تھی۔ ویسے ہی وہ اس کی حماقتوں کی بناء پر دوسروں کے سامنے شرمندہ سی رہتی تھی۔ اب حمید صاحب بھی تشریف لائے تھے، جو کچھ نہ ہو جاتا کم تھا۔

حمید پتھر پر چڑھنے کو چڑھ تو گیا مگر ڈر رہا تھا کہ کہیں یک بیک قاسم کی ذہنی رو بہک نہ جائے۔ ایسی صورت میں اُسے شہادت ہی نصیب ہوتی پہلے اسکا ارادہ تھا کہ قاسم کا بخیہ ادھیڑے گا مگر اب یہ خیال ترک کر دینا پڑا۔ پتہ نہیں کب قاسم جھلا کر پتھر سمیت اُسے زمین پر پٹخ دے۔

حمید نے جھک کر تینوں کو سلام کیا اور چپ چاپ اتر گیا۔

"اماں.....وہ تقریر.....!" قاسم نے کہا۔

"تقریر وہاں سے کروں گا۔" حمید نے لڑکیوں کی طرف اشارہ کیا۔

"چلو بے! توڑو پتھر!" قاسم نے نوکروں کو للکارا۔ "جب تک پتھر نہیں ٹوٹے گا چھٹی نہیں

ملے گی۔''

نوکر پہلے ہی سے پسینہ پسینہ ہو رہے تھے۔ انہوں نے بڑے ملتجانہ انداز میں لڑکیوں کی طرف دیکھا اور ایک لڑکی نے کہا۔ ''اب اسے ختم کیجئے.....کوئی دوسرا کرتب۔''

''آؤ تم تینوں پتھر پر کھڑی ہو جاؤ۔'' قاسم نے کہا۔

''ہاں..... یہ بڑی معقول بات ہے۔'' حمید سر ہلا کر بولا۔ ''بلکہ کہو تو اپنی بیوی کو بھی بلالوں۔''

''بلالو۔'' قاسم نے جھونک میں کہا۔ پھر فوراً ہی سنبھل کر بولا۔ ''کون..... بیوی۔''

''کہاں ہے تمہاری بیوی۔''

''ابھی اندر گئی ہے۔''

''کیا.....!'' قاسم حلق پھاڑ کر دھاڑا۔ پھر کروٹ لے کر پتھر کو ایک طرف دھکیل دیا اور خود اٹھتا ہوا بولا۔ ''کیا کہا تم نے۔''

''میں نے کہا تمہاری بیوی کو بھی بلالوں۔'' حمید نے پیچھے ہٹتے ہوئے کہا۔

''نائیں.....تم نے اپنی بیوی کہا تھا۔''

''تمہارے سننے میں فرق آیا ہے پیارے۔''

''تم خود ہو گے پیارے۔ میں گردن توڑ دوں گا تمہاری۔''

''اب ریکھا سیدھی ہو گئی ہے۔'' حمید نے آہستہ سے کہا ''تمہیں پوچھ رہی تھی۔''

''نہیں! اﷲ قسم۔'' قاسم کے ہونٹوں پر ایک شرمیلی سی مسکراہٹ کھیلنے لگی۔

''ہاں.....بس خاموش رہو۔'' حمید نے جواب دیا۔ انکی سرگوشیاں لڑکیوں تک نہیں پہنچی تھیں۔ پھر دونوں ہنسنے لگے۔

''ہاں.....!'' ایک لڑکی بولی۔ ''ابھی تو آپ حمید صاحب کو مارنے دوڑے تھے۔''

''ارے وہ.....وہ تو میں مذاخ کر رہا تھا۔'' قاسم نے جواب دیا۔

''قاسم کے مذاق بڑے دلچسپ ہوتے ہیں۔'' حمید نے اُن میں سے ایک لڑکی کو آنکھ مار کر کہا۔ ظاہر ہے کہ اُس آنکھ مارنے کا مقصد اپنی بات میں زور پیدا کرنا ہوتا تھا۔ وہ تینوں ہنس

پڑیں، لیکن قاسم نے حمید کو آنکھ مارتے دیکھ لیا تھا۔ اس نے بوکھلا کر لڑکیوں کی طرف دیکھا مگر وہ بُرا ماننے کی بجائے ہنس رہی تھی۔ قاسم کی کھوپڑی یکلخت الٹ گئی اور حمید کو بھی دھیان نہیں رہا کہ اس نے کیا کیا تھا، کیونکہ یہ سب کچھ رواروی میں ہوا تھا۔

اچانک قاسم نے حمید کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ ''آؤ..... میرے ساتھ۔'' گرفت اتنی سخت تھی کہ حمید کو اپنی کلائی ٹوٹتی ہوئی سی محسوس ہونے لگی۔ مگر وہ چپ چاپ اسکے ساتھ چلتا رہا۔ ہاتھا پائی میں اپنی ہی بے عزتی تھی۔ قاسم اُسے لڑکیوں کے سامنے ہی اٹھا کر پٹخ دیتا۔ وہ اُسے عمارت کے عقبی حصے کی طرف لے گیا اور گریبان پکڑ کر جھنجھوڑتا ہوا بولا۔ ''تم نے سلیمہ کو آنکھ کیوں ماری تھی۔''

اب حمید کو یاد آیا اور اُس کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ آسمان سر پر گرتا محسوس ہونے لگا۔ جس وقت قاسم غصے میں ہو اُسے کوئی بات سمجھا لینا آسان کام نہیں تھا۔ بہرحال حمید نے ہاتھ پاؤں مارے۔ ''ارے! یار تم بالکل ہی بھولے ہو..... کیا وہ بُرا مان گئی تھی۔''

''مانے یا نہ مانے..... لیکن تم نے کمینہ پن کیوں کیا۔''

''اگر یہ کمینہ پن ہوتا تو ضرور بُرا مانتی..... ذرا ٹھنڈے دل سے سوچو۔''

''نہیں میں گرم دل سے سوچوں گا..... میری بات کا جواب دو۔''

''اس طرح اگر میں تمہارے باپ کو آنکھ ماروں تو وہ بھی بُرا نہیں مانیں گے۔''

''میرے باپ کو آنکھ مارو گے۔ ہڈیاں نہ چبا جاؤں گا تمہاری..... یہ مجال۔''

قاسم نے گریبان کو جھٹکا دیا اور حمید کی روح فنا ہوگئی۔

''اچھا ایک بات سمجھنے کی کوشش کرو۔''

''دس سمجھنے کی کوشش کروں گا۔ لیکن اگر تم نہ سمجھا سکے تو میں قبر کھود کر دفن کردوں گا سمجھے! میرے باپ کو آنکھ ماریں گے، بڑے مارنے والے..... ہاں۔''

''تم کسی عورت کو ماں کہتے ہو۔''

''میری ماں بچپن ہی میں مرگئی تھی۔''

''پرواہ مت کرو! میں تو ایک مثال دیئے جارہا تھا تم کسی عورت کو ماں کہو تو وہ خوش ہوگی۔ لیکن اسکو باپ کی جورو کہہ کر دیکھ لو کیا حشر ہوتا ہے تمہارا۔ حالانکہ باپ کی جورو ہی ماں ہوتی ہے۔''

''اچھا میں سمجھ گیا.....آگے کہو۔''

''کیا کہوں..... تمہیں دنیا کا کچھ تجربہ ہی نہیں ہے۔ تم کچھ نہیں جانتے..... کسی چیز کا مطلب نہیں سمجھتے۔''

''ارے تم تو بڑے قابل ہو۔ پھر بتاؤ نا.....!'' قاسم ہاتھ نچا کر بولا۔

''آنکھ مارنے کے انداز میں بھی فرق ہوتا ہے۔ ایک آنکھ اس طرح ماری جاتی ہے کہ لوگ بُرا مان جاتے ہیں، لیکن اگر تم اپنا ایک گال پھلا کر آنکھ مارو تو کوئی بھی بُرا نہیں مانے گا۔ آیا سمجھ میں..... تم اس طرح کسی کو آنکھ مار کر دیکھنا۔''

قاسم کا ایک گال غیر ارادی طور پر پھولتا چلا گیا۔ لیکن پھر آنکھ مارنے کی گنجائش ہی نہیں رہ گئی کیونکہ اس طرف کی آنکھ خود بخود بند ہو گئی تھی۔ قاسم چند لمحے کوشش کرتا رہا پھر بڑی سنجیدگی سے بولا۔ ''نہیں بنتا۔''

''اچھا ادھر دیکھو.....!'' حمید نے اپنا ایک گال پھلا کر اُسے آنکھ ماری۔

''تم سے تو بن جاتا ہے۔'' قاسم نے بے بسی سے کہا۔ ''مگر اپنا یہ سالا گال ہی ایسا ہے کہ پھول کر آنکھ پر چڑھ جاتا ہے۔ اچھا اگر دوسری آنکھ ماری جائے تو.....!''

''کوئی حرج نہیں ہے۔'' حمید نے بڑے خلوص سے کہا۔

قاسم نے پھر ایک طرف کا گال پھلایا اور دوسری طرف کی آنکھ مارنے کی کوشش کی، لیکن وہ آنکھ صرف بند ہو گئی۔ ظاہر ہے کہ ایک آنکھ تو پہلے ہی بند تھی۔

''کیوں! بنا کہ نہیں۔'' قاسم نے حمید سے پوچھا۔

''بننے لگے گا..... تھوڑی مشق کی ضرورت ہے۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

قاسم نے حمید کا ہاتھ چھوڑ دیا تھا اور وہیں دھوپ میں کھڑے کھڑے مشق شروع کر دی تھی۔ اب وہ یہ بھی بھول گیا تھا کہ حمید کو یہاں لایا کیوں تھا۔

''ابے نہیں بنتا حمید بھائی۔'' قاسم نے پھر بڑی بے بسی سے کہا۔ اتنے میں وہ تینوں لڑکیاں وہاں آ گئیں۔

''ارے بھائی صاحب۔'' ایک نے قاسم سے کہا۔ ''کیا سعید بابر کے یہاں نہیں چلنا ہے۔''

"ارے وہ خود ہی آ جائے گا۔" قاسم سر ہلا کر بولا۔ "مگر سعید..... سعید نہیں کلو..... میرے بار بر کا نام کلو ہے۔"

"ہائیں کیا کہہ رہے ہیں آپ۔" لڑکی بولی۔ "سعید بابر..... بار بر نہیں۔"

سعید بابر کے نام ہی پر حمید کو جھرجھری سی آ گئی تھی اور وہ سوچ رہا تھا کہ یہ سالا کمبل ہی نہیں چھوڑتا۔ بھلا یہاں بھی سعید بابر کے تذکرہ کی کیا ضرورت تھی۔

"اچھا..... اچھا..... وہی جس کا تذکرہ کل کیا تھا۔" قاسم نے مسکرا کر کہا۔ "بڑا عجیب نام ہے، سعید بابر بالکل شیر ببر معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اگر وہ گلہری کا بچہ نکلا تو میں اس کی گردن مروڑ دوں گا..... ہاں یہ سالے نام بھی بڑا دھوکا دیتے ہیں..... نام پہاڑ خان اور خود مچھر کی اولاد۔"

"قاسم یار..... تم تو فلسفی ہوتے جا رہے ہو۔" حمید نے حیرت سے کہا۔

"اور کیا..... ہاں نہیں تو سالے۔"

پھر حمید نے اس لڑکی سے پوچھا۔ "آپ سعید بابر کو کیسے جانتی ہیں۔ وہ تو شاید افریقہ سے آیا ہے۔"

"میں اُسے افریقہ ہی سے جانتی ہوں۔ نیروبی میں میرے چچا کا بزنس ہے۔ میں بھی وہاں تین سال رہ چکی ہوں..... اوہو..... آپ بھی چلئے..... بڑا لطف رہے گا۔ آپ یقیناً اُسے پسند کریں گے۔"

"ہم لوگ کسی کو بھی پسند نہیں کرتے۔" قاسم نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "کیوں حمید بھائی۔"

حمید نے قاسم کی بات پر دھیان دیئے بغیر کہا۔ "میں اُس سے ضرور ملوں گا۔ مجھے افریقہ بہت پسند ہے۔ مگر آج تک جانے کا اتفاق نہیں ہوا۔"

"ارے تمہارے لئے کیا مشکل ہے حمید بھائی۔ کوئی کیس بناؤ..... بس چلے چلیں گے۔ ہی ہی ہی..... وہاں کی یلا یلیاں کیسی ہوں گی..... ہی ہی ہی....." قاسم بے تحاشہ ہنسنے لگا۔

"یلا یلیاں کیا چیز۔" تینوں لڑکیوں نے حیرت ظاہر کی۔

"ارے وہ کچھ نہیں..... جی ہاں تو آپ کب جائیں گی وہاں۔" حمید جلدی سے بولا۔

"بس چل رہے ہیں۔" اس نے کہا اور لڑکیاں واپس جانے کے لئے مڑیں اور قاسم

بڑبڑانے لگا۔

''یار حمید بھائی..... بڑی بوریت رہے گی۔ کل میں نے یوں ہی وعدہ کرلیا تھا۔ کل سے اُس سالے کی تعریفوں کی پل باندھے جارہے ہیں۔''

''چلو دیکھتے ہیں.....ڈھب پر آ گیا تو مرغا۔''

''ہاہا.....!'' قاسم حمید کے شانے پر ہاتھ مار کر ہنسا اور حمید کو ایسا معلوم ہوا جیسے اس کے شانے پر کوئی بڑی سی چٹان آ گری ہو۔ وہ دونوں پورچ کی طرف جارہے تھے۔ اچانک قاسم کا دماغ پھر سنک گیا اور چلتے چلتے رک کر غصیلی آواز میں بولا۔ ''تم اپنے گھر جاؤ۔''

''کیوں.....؟''

''تم آج کل یہاں روزانہ آرہے ہو..... میں خوب سمجھتا ہوں۔ نہیں تم اپنے گھر جاؤ۔''

''کیا سمجھتے ہو۔''

''تم ان تینوں کی وجہ سے آتے ہو۔''

''اچھا تو پھر.....!''

''اچھا تو پھر..... یہ کہ چپ چاپ چلے جاؤ۔''

''اچھا.....تو پھر میرا نام حمید ہے سمجھے! تمہارے گلے میں رسی ہوگی اور میں سارے شہر میں ڈگڈگی بجاتا پھروں گا، اچھا میں چل دیا۔'' حمید اپنی کار کی طرف بڑھا۔

اچانک سلیمہ نے برآمدے سے آواز دی۔ ''کیا آپ جارہے ہیں۔ آپ نے تو ساتھ چلنے کو کہا تھا۔''

''انہیں جانے دو۔'' قاسم سر ہلا کر بولا۔ ''ان کے .....ان کے پیٹ میں درد ہو رہا ہے۔''

حمید کار میں بیٹھ چکا تھا، لیکن اسٹارٹ بھی نہیں کر پایا تھا کہ سلیمہ اس کے قریب پہنچ گئی۔

''کیا بات ہے۔'' اُس نے پوچھا۔

''قاسم بھگا رہا ہے۔''

''کیوں.....؟''

''اُسکا خیال ہے کہ میں صرف آپکی وجہ سے یہاں آتا ہوں۔'' حمید گلوگیر آواز میں بولا۔

''ان کا بھی دماغ خراب ہے شاید..... آپ چلیئے..... میں بھی چل رہی ہوں۔'' سلیمہ دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گئی۔

حمید نے کار اسٹارٹ کردی اور قاسم۔ ''ہائیں ہائیں۔'' کرتا ہوا دوڑا لیکن کار پھاٹک سے گذر چکی تھی۔ قاسم پلٹ کر اپنے گیراج کی طرف لڑھکنے لگا۔

دوسرے پر فائر

تنویر کبھی تنہا باہر نہیں نکلتی تھی۔ اس کے ساتھ ہمیشہ دو باڈی گارڈ ہوتے تھے اور دونوں اپنے پاس بھرے ہوئے ریوالور رکھتے تھے اور اب کچھ دنوں سے وہ عدنان کو بھی تنہا باہر نہیں نکلنے دیتی تھی۔ دو باڈی گارڈ اُس کے ساتھ بھی رہا کرتے تھے۔

یہ چاروں آدمی بظاہر سیدھے سادے اور بے ضرر تھے، لیکن ان کی حقیقت صرف تنویر کو معلوم تھی۔ یہ چاروں اول درجے کے بدمعاش، سازشی اور قاتل تھے۔ ویسے یہ تنویر سے بہت ڈرتے تھے۔ اس کے ایک اشارے پر اس طرح آگے بڑھتے تھے جیسے پالتو کتے ہوں۔

اس وقت وہ تنویر محل کے ایک کمرے میں بیٹھے شائد تنویر ہی کے منتظر تھے۔ وہ بالکل خاموش تھے اور فکر مند نظر آرہے تھے۔

تھوڑی دیر بعد تنویر کمرے میں داخل ہوئی۔ اُس کے ہاتھ میں آج کا اخبار تھا۔ اُسے دیکھتے ہی وہ کھڑے ہوگئے۔ تنویر نے سر کی جنبش سے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ مؤدب بیٹھ گئے۔

''تم لوگوں کو شکایت تھی کہ میں تم سے کبھی کام نہیں لیتی۔'' تنویر ایک کرسی کھینچ کر بیٹھتی ہوئی بولی۔ ''مگر اب کام کا وقت آگیا ہے۔''

وہ بڑی توجہ سے اس کی گفتگو سن رہے تھے۔ تنویر نے اخبار میز پر پھیلا دیا اور اخبار میں چھپی ہوئی ایک تصویر کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ''اس آدمی کو جہاں دیکھو گولی مار دو۔''

وہ باری باری سے اس تصویر کو دیکھنے لگے۔ پھر ایک نے پوچھا۔ ''یہ رہتا کہاں ہے۔''

''تلاش کرو۔'' تنویر نے کہا۔ ''اخبار میں اُس کا پتہ نہیں ہے۔''

''ہم جلد سے جلد اسے نپٹانے کی کوشش کریں گے۔''

''بس اتنا ہی کہنا تھا۔'' تنویر اٹھ گئی۔ اس کے ساتھ ہی وہ بھی اٹھے اور اس وقت تک کھڑے رہے جب تک وہ باہر نہیں چلی گئی۔

پھر وہ بیٹھ کر ایک دوسرے کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھنے لگے۔ آخر ان میں سے ایک نے کہا۔

''محترمہ تنویر بڑے دل گردے کی عورت ہیں۔ انہوں نے اس طرح اس قتل کا حکم صادر فرمایا ہے جیسے ہمیں سعید بابر کے سر میں تیل مالش کرنی ہے۔''

''کیا اس کے متعلق اخبار میں کوئی خبر بھی ہے۔'' دوسرے نے پوچھا۔

''ہاں ہے تو۔'' پہلے نے اخبار پر نظر جماتے ہوئے کہا۔ ''یہ نیروبی سے آیا ہے، وہاں کوئی بہت بڑا آدمی ہے۔ اس میں یہ تحریر ہے کہ وہ اپنے اعزہ سے ملنے کے لئے یہاں آیا ہے۔''

''اور مادام تنویر چاہتی ہیں کہ ہم اُسے گولی ماردیں۔'' تیسرا بولا۔

''ہمیں اس سے غرض نہ ہونی چاہئے۔'' چوتھے نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔ ''حکم..... حکم ہے۔''

''ہم کب کہہ رہے ہیں کہ حکم نہ مانیں گے۔''

اچانک عدنان کمرے میں داخل ہوا اور وہ پھر کھڑے ہوگئے۔ عدنان نے مسکراتے ہوئے انہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

''آج کل تم لوگ بیکار ہو۔'' عدنان بیٹھتا ہوا بولا۔

''نہیں! ہم مادام کا ضروری کام کررہے ہیں۔''

''کون سا کام۔''

''اوہ..... جناب آپ کے زخم کا کیا حال ہے۔'' ایک نے دفعتاً پوچھا۔

''تم بڑے گدھے ہو..... جو کچھ میں پوچھ رہا ہوں، اُس کا جواب دو۔''

''جناب عالی..... آپ خود خیال فرمائیں..... ہم کیسے بتا سکتے ہیں۔''

''کیا! تمہیں بتانا پڑے گا۔''

''بہتر یہ ہوگا کہ آپ ہمیں شوٹ کردیں ورنہ مادام کا غصہ ہمارے لئے موت سے بھی زیادہ بھیانک ہوگا۔''

''میری کوئی وقعت نہیں ہے...... کیوں؟'' عدنان نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''نہیں جناب..... ہم آپ کے لئے بھی جان دینے کو حاضر ہیں۔''

عدنان کچھ دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔ ''اچھا میرے لئے بھی ایک کام کرو۔''

''فرمایئے..... جناب۔''

''مجھے وہ کتا چاہئے جس نے شکار گاہ میں مجھ پر حملہ کیا تھا۔''

''کتا.....!'' چاروں نے حیرت سے دہرایا۔

''ہاں..... وہ کتا ہی تھا۔ سیاہ رنگ کا اونچا سا کتا..... جسم کے ساخت گرے ہاؤنڈ کی سی تھی اور شائد سر پر سفید دھاریاں بھی تھیں۔''

''ہم اُسے تلاش کرنے کی کوشش کریں گے جناب۔ مگر کیا وہ بہت خطرناک ہے۔''

''شاید خطرناک ہی ہے۔''

''آپ اُس کی لاش چاہتے ہیں۔''

''نہیں زندہ..... لاش کیا کروں گا۔''

''ہم انتہائی کوشش کریں گے۔''

عدنان بھی اٹھ کر چلا گیا۔ اُس کے چلے جانے کے بعد کافی دیر تک خاموشی رہی پھر ایک نے آہستہ سے کہا۔

''دونوں ہی عجیب ہیں..... ہم کتنے دنوں سے یہاں ہیں، لیکن ہمیں آج تک مادام کے متعلق کچھ نہیں معلوم ہوسکا۔''

''مگر اس آدمی سعید بابر کو ہم کہاں تلاش کرتے پھریں گے۔ بڑا ٹیڑھا کام ہے۔''

''کچھ بھی ہو..... ہمیں یہ کام کرنا ہی پڑے گا۔'' اس معمر آدمی نے کہا جو کم بولتا تھا اور بقیہ تینوں اس کا احترام بھی کرتے تھے۔

''وہ تو ہے.....لیکن اگر ہم اس میں کامیاب نہ ہو سکے تو۔''

''بس یونہی خیال ہے.....ناکامی کی صورت میں ہمارا کیا حشر ہوگا۔''

''ناکامی کی بات ہی نہ سوچو۔ میں اسے شارع عام پر گولی مار سکتا ہوں۔'' معمر آدمی نے کہا۔

''سوچ سمجھ کر دعویٰ کرو.....آج کل یہ سب کچھ بہت مشکل ہو گیا ہے۔ جب سے سادہ لباس والوں کا چارج کرنل فریدی نے لیا ہے، بہت کم جرائم ہو پاتے ہیں۔''

حمید کی کار فراٹے بھر رہی تھی اور سلیمہ پہلے پہل تنہا اس کے ساتھ باہر نکلی تھی۔ اُن تینوں میں یہی تھی بھی سب سے زیادہ زندہ دل۔ ایسی کہ حمید اس کی ہم نشینی میں بوریت نہیں محسوس کر سکتا تھا۔

''آخر آپ دونوں کے تعلقات کیسے ہیں۔'' سلیمہ نے پوچھا۔

''بہت ہی دلچسپ۔'' حمید بولا۔ ''وہ خود ہی تعلقات قائم کرتا ہے، اور بگاڑ بیٹھتا ہے۔''

''مگر بیگم صاحبہ تو کہتی ہیں کہ آپ ہی نے انہیں بگاڑ رکھا ہے۔''

''غلط کہتی ہیں۔ میں نے اُسے بگاڑا نہیں بلکہ ہاتھی بنایا ہے۔''

سلیمہ پہلے تو ہنسی پھر آہستہ سے مغموم لہجے میں بولی۔ ''دونوں کی زندگی برباد ہو گئی ہے۔ میں تو لعنت بھیجتی ہوں ایسی شادی پر۔''

''مگر مجھے بے جوڑ شادیاں بہت پسند ہیں۔ اگر بیوی یا شوہر پسند کا مل جائے تو زندگی محدود ہو جاتی ہے۔ آدمی مطمئن ہو جاتا ہے۔ سمجھ بیٹھتا ہے کہ اس کی زندگی میں بس یہی ایک کمی رہ گئی تھی، جو پوری ہو گئی۔ اب اُسے کچھ نہیں کرنا ہے۔''

''واہ......! یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں۔''

''قاسم ہی کی مثال لے لیجئے۔ اگر بیوی پسند کی ملی ہوتی تو وہ اپنے پیٹ پر پتھر نہ تڑواتا، منہ سے لوہے کے گولے نہ نکالتا.....موٹی موٹی سلاخیں نہ موڑتا۔''

سلیمہ پھر ہنسنے لگی۔ اُس کے ہنسنے کا انداز حمید کو بہت پسند تھا۔ بھرے بھرے سے ہونٹ

خفیف سے کھلتے اور چمکدار دانتوں کی قطار جھانکنے لگتی۔ آنکھوں میں شوخی عود کر آتی اور اس کا سارا جسم تھرکتا سا محسوس ہونے لگتا اور ایسا معلوم ہوتا جیسے ایوننگ ان پیرس کی لپٹیں اس کے ہونٹوں سے نکل رہی ہوں۔

''مگر ہم کہاں چل رہے ہیں۔'' سلیمہ نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

''ہم کیوں نہ افق کے پار چلیں۔''

''آہا.....آہا.....تو اب آپ مجھ سے رومانی قسم کی گفتگو کریں گے۔ اچھا چلئے میں شرما گئی۔ اب کیا کہیں گے آپ۔''

''اب میں یہ کہوں گا کہ دنیا کے ہر آدمی کو فرشتوں کی طرح زندگی بسر کرنی چاہئے۔''

''میں آپ کے متعلق بہت کچھ سن چکی ہوں۔''

''اور اب مجھ میں یہ جملہ سننے کی تاب نہیں رہ گئی۔'' حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

''شہر کی جس نئی لڑکی سے ملاقات ہوتی ہے وہ میرا نام معلوم ہو جانے کے بعد یہی کہتی ہے۔ آخر آپ میرے متعلق کیا سن چکی ہیں۔''

''کچھ نہیں.....کوئی اور بات کیجئے۔''

''آپ ہی چھیڑیئے کوئی بات۔''

''نہیں آپ تو باتوں کے ماہر ہیں۔''

''خیر میں ہی شروع کرتا ہوں.....سعید بابر سے آپ پہلے بھی.....!''

''نو.....نو.....پلیز.....سعید بابر کی باتیں سنتے سنتے کان پک گئے ہیں۔ پتہ نہیں راحلہ کو اس میں کون سی خوبیاں نظر آئی ہیں۔ نہیں سعید بابر کے علاوہ اور کوئی بات۔''

''سراغ رسانی سے دلچسپی ہے آپ کو۔'' حمید نے پوچھا۔

''بہت زیادہ.....حد سے زیادہ.....میرے لئے آپ میں صرف یہی ایک کشش ہے۔''

''ویسے میں بالکل اُلو کا پٹھا ہوں.....کیوں؟''

''نہیں میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ میں یہ کہنا چاہتی تھی کہ آپ کچھ اور نہ سمجھئے گا۔''

''اور کیا سمجھوں گا۔''

''اوہ.....آپ اپنی بات کیجئے۔ ہاں مجھے سراغ رسانی سے بہت دلچسپی ہے۔''

''اچھا تو اگر آپ کسی مفلوج فقیر کو بیمار جانوروں کی طرح رینگ رینگ کر بھیک مانگتے دیکھتیں پھر اچانک ایک دن آپ اس کی لاش بھی دیکھ لیتیں.....اور کچھ ہی دنوں کے بعد یک بیک سعید بابر آپ کے سامنے آجاتا.....تو.....!''

''کیا بات ہوئی۔ میں خاک بھی نہیں سمجھی۔''

''کچھ دنوں بعد سعید بابر اس طرح آپ کے سامنے آیا کہ اُس مفلوج مردہ فقیر اور سعید بابر میں سرمو فرق نہیں تھا۔''

''کیا مطلب.....؟''

''دونوں کی شکلیں ایک تھیں۔''

''نہیں.....!''

''یہ حقیقت ہے.....میں سینکڑوں آدمیوں کی شہادت دلوا سکتا ہوں۔''

''اُوہو.....تب میں یقیناً اُس کا تذکرہ سننا پسند کروں گی۔''

''کیا آپ کی عدم موجودگی میں وہ لوگ سعید بابر کے یہاں جائیں گے۔''

''پہلے سے وقت مقرر کئے بغیر وہ کسی سے نہیں ملتا۔''

''اُس کا باپ بھی ملے گا۔''

''کیسے.....!''

''اوہ.....کیپٹن حمید آف انٹیلی جنس بیوریو سے ملنے سے کون انکار کرے گا۔''

''واہ.....یہ تو ٹھیک ہے مگر آپ اس سے کیوں ملنا چاہتے ہیں۔''

''کچھ نہیں بس ایک نظر دیکھوں گا۔ ہوسکتا ہے کہ اس کی تصویر اس سے مختلف ہو۔ اکثر ایسا بھی ہوتا ہے مگر کیا آپ کو اس کا پتہ معلوم ہے۔''

''پتہ..... ہاں شاید وہ کنگس لین کی کسی عمارت میں مقیم ہے۔''

''یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ کنگس لین میں اُسے کہاں تلاش کریں گے۔''

''آپ تو سراغ رساں ہیں۔''

''چلئے!'' حمید ایک طویل سانس لے کر بولا۔ ''یہ بھی سہی۔''

اُسے اطمینان تھا کہ وہ کار میں بیٹھے ہی بیٹھے اس کی قیام گاہ کا پتہ لگا لے گا۔ وجہ یہ تھی کہ آج کل سادہ لباس والوں کا انچارج فریدی تھا اور اس نے انہیں کچھ اس انداز میں پھیلایا تھا کہ شہر کے ہر حصے میں دو ایک سادہ لباس والے ہر وقت موجود ملتے تھے۔

حمید نے کار کنگس لین کے موڑ پر روک دی اور ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔ سڑک کی دوسری طرف ایک سادہ لباس والا موجود تھا۔ حمید نے اُسے اشارے سے بلایا۔ وہ بڑی تیزی سے کار کے قریب آیا۔

''یس سر.....!''

''پتہ لگاؤ کہ سعید بابر کہاں ٹھہرا ہوا ہے۔ وہ افریقہ سے آیا ہے۔''

''سولہ نمبر کی کوٹھی میں جناب.....وہ موجود ہے۔ ایک انگریز سیکریٹری اور تین ملازم ایک چھوٹی سی بڑے بالوں والی کتیا بھی ہے۔''

''بہت خوب! تم لوگ بہت تندہی سے کام کر رہے ہو۔''

''یس سر.....!''

''اب تم جاسکتے ہو۔''

وہ سلام کر کے چلا گیا۔

''یہ سب کتنا سنسنی خیز ہے۔ میرے خدا.....!'' سلیمہ نے پُرمسرت لہجے میں کہا۔

''ابھی آپ نے دیکھا ہی کیا ہے۔'' حمید نے کہا اور کار کنگس لین کے اندر موڑ دی۔

یہاں دونوں طرف بڑی شاندار عمارتیں تھیں۔ ان کی کار سولہ نمبر کی کوٹھی کے سامنے رک گئی۔ حمید کار کو کمپاؤنڈ کے اندر نہیں لے گیا۔ وہ دونوں اُتر کر پھاٹک میں داخل ہوئے اور برآمدے میں ایک صاف ستھرے ملازم نے ان کا استقبال کیا۔ حمید نے اُسے اپنا کارڈ دے کر کہا۔ ''ضروری کام ہے۔''

''صاحب تو سو رہے ہیں.....میں مس صاحب کو اطلاع کئے دیتا ہوں۔''

''صاحب سے کام ہے.....خیر.....مس صاحب ہی سہی۔''

''آپ یہاں تشریف رکھئے۔'' اُس نے نشست کے کمرے کی طرف اشارہ کیا اور خود اندر چلا گیا۔

وہ اس کمرے میں آئے۔ سلیمہ چند لمحے خاموش رہی پھر بولی۔

''آپ مس صاحب سے مل کر کیا کریں گے۔''

''یہ تو اُس سے ملنے کے بعد ہی سوچوں گا کہ کیا کرنا چاہئے۔''

سلیمہ خاموش ہوگئی۔ مگر شاید اُسے اس طرح انتظار میں بیٹھنا گراں گذر رہا تھا۔ حمید بھی خاموش تھا۔ اچانک قدموں کی آواز سنائی دی۔ پھر دوسرے ہی لمحے میں حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے وہ سچ مچ خواب دیکھ رہا ہو۔ کیونکہ دروازے میں کھڑے ہوئے آدمی اور اُس مفلوج فقیر میں اگر کوئی فرق تھا تو یہی تھا کہ یہ اپنے پیروں پر کھڑا تھا اور وہ بیچارا پیروں سے معذور ہونے کی بناء پر گھسٹتا پھرتا تھا۔

حمید فوراً ہی سنبھل گیا۔ اُس نے اپنے چہرے سے استعجاب نہیں ظاہر ہونے دیا۔

سعید بابر مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھائے آگے بڑھا۔

''میری خوش قسمتی ہے کہ آپ تشریف لائے۔ میرے لائق کوئی خدمت۔'' اس نے بڑی گرم جوشی سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔

''اوہ کوئی خاص بات نہیں ہے۔'' حمید نے کہا۔ ''ایک ضمنی سی کاروائی ہے۔ مجھے اکثر باہر سے آئے ہوئے لوگوں سے پوچھ گچھ کرنی پڑتی ہے۔ میں صرف آپکے پاسپورٹ پر ایک نظر ڈالونگا۔''

اچانک حمید کو قاسم کا قہقہہ سنائی دیا اور حمید کی روح فنا ہوگئی۔ دوسری طرف سعید بابر شاید نوکر کو بلانے کے لئے گھنٹی کا بٹن دبا رہا تھا۔

دوسرے ہی لمحے میں راحلہ، نجمہ اور قاسم کمرے میں داخل ہوئے۔

''ہائیں تم یہاں.....!'' قاسم بھاڑ سا منہ کھول کر رہ گیا۔

''ہاں..... میں یہاں ایک سرکاری کام سے آیا ہوں۔'' حمید نے جواب دیا۔

''اوہ آپ مس راحلہ.....!'' سعید بابر راحلہ کی طرف بڑھا۔

نجمہ سلیمہ سے بولی۔ ''یہ کیا حرکت تھی۔'' بہر حال کمرے میں عجیب سی افراتفری مچ گئی۔ ہر

ایک بوکھلایا ہوا سا معلوم ہو رہا تھا۔ شاید ایک منٹ بعد حالات اعتدال پر آئے۔

حمید راحلہ سے کہہ رہا تھا ''آپ کے پاس سے میں یہیں آتا جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ آپ بھی یہیں آنے والی ہیں تو میں نے کہا کہ پہلے ہی اپنا کام نپٹاتا چلوں۔ مگر محترمہ سلیمہ زبردستی میرے ساتھ چلی آئیں۔''

قاسم نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا اور بند کرلیا۔

''اوہو.....! یہ میری مزید خوش قسمتی ہے کہ آپ میرے دوستوں کے دوست ہیں۔''

سعید بابر نے دوبارہ حمید سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔

اُس کا طلب کردہ نوکر آ گیا تھا۔ اُس نے اس سے کہا۔ ''مس براؤن کو بھیج دو۔''

قاسم منہ چلانے لگا۔ پھر اُس کے ہونٹوں پر ایک شریری مسکراہٹ نظر آئی اور اس نے دوسروں کی نظر بچا کر حمید کو آنکھ ماردی۔

''ہم تین سال بعد ملے ہیں محترمہ راحلہ۔'' سعید بابر نے راحلہ سے کہا۔ ''آپ یہاں کب سے مقیم ہیں۔''

''ہم ابھی حال ہی میں آئے ہیں۔''

''بڑی اچھی ملاقات رہی۔ خصوصاً آپ سے۔'' اُس نے حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔ ''میں بڑی شدت سے ایک ہمدرد آفیسر کی ضرورت محسوس کر رہا تھا اور اب تو آپ آفیسر ہی نہیں بلکہ دوست بھی ہیں۔ میرے دوستوں کے دوست! یعنی میرے بھی۔''

''میرے لائق کوئی خدمت.....''

''اگر اس نشست کے بعد آپ مجھے تھوڑا سا وقت دے سکیں تو شکر گذار ہوں گا۔''

''بات کوئی ایسی پوشیدہ بھی نہیں مگر دوسروں کے بور ہونے کا اندیشہ ہے۔''

''نہیں آپ ہر قسم کی گفتگو چھیڑ سکتے ہیں۔'' راحلہ نے کہا۔ ''بور ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔''

اتنے میں نوکر نے آ کر اطلاع دی کہ مس براؤن موجود نہیں ہیں۔

''اوہو! وہ تو میں بھول ہی گیا تھا۔'' سعید نے کہا۔ ''ٹھیک ہے.....وہ اندر نہ ہوگی۔''

پھر اُس نے اُن لوگوں کو مخاطب کر کے کہا۔ ’’آپ سب اپنے ہی ہیں۔ میں یہاں آ کر ایک بہت بڑی الجھن میں گرفتار ہو گیا ہوں۔‘‘

سب لوگ خاموشی سے اس کے دوسرے جملے کے منتظر رہے۔

’’میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں یہ داستان کہاں سے شروع کروں۔‘‘ اُس نے حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔ ’’ویسے میں آپ سب سے پوچھتا ہوں کہ کیا یہاں میری شکل و شباہت کا کوئی فقیر بھی آپ کی نظروں سے گذرا ہے۔‘‘

’’ارے ہی ہی ہی۔‘‘ قاسم ہنسا۔ ’’یہ آپ کیا فرما رہے ہیں۔‘‘

سلیمہ نے حمید کی طرف دیکھا اور حمید نے اپنی بائیں آنکھ دبا دی۔

’’آپ نے نہیں دیکھا۔‘‘ سعید نے مایوسی سے کہا۔ ’’خیر..... لیکن ایسا سننے میں آ رہا ہے اور میں بہت پریشان ہوں۔‘‘

’’کیا سننے میں آ رہا ہے۔‘‘ حمید نے پوچھا۔

’’ایسے ہی ایک فقیر کے متعلق..... خیر مشابہت ہونا کوئی بڑی بات نہیں۔ اکثر ایسا بھی ہوتا ہے اور محض مشابہت کی بناء پر میں پریشان نہیں ہو سکتا..... مگر.....!‘‘

حمید کو الجھن ہونے لگی۔ وہ چاہتا تھا کہ وہ ایک ہی سانس میں سب کچھ کہہ جائے۔ مگر وہ رک رک کر بول رہا تھا۔ سب لوگ بڑی توجہ سے سن رہے تھے۔ صرف قاسم ایسا تھا جو بار بار پہلو بدلتا رہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ بُری طرح اکتا گیا ہو۔

’’خیر میں یہ بات وہیں سے شروع کرتا ہوں۔ جہاں سے شروع ہوئی تھی۔ میرا ایک سوتیلا بھائی تھا۔ تیرہ یا چودہ سال کی عمر میں وہ نیروبی سے نکل بھاگا۔ بچپن ہی سے اُس کی حالت عجیب تھی۔ وہ رات رات بھر گھر سے غائب رہتا۔ لیکن والد مرحوم اُس سے سختی کا برتاؤ کبھی نہ کرتے۔ میں کہتا ہوں کہ اُسے اُن کے بے جا لاڈ ہی نے بگاڑا تھا۔ اُس کی ماں یعنی میری سوتیلی والدہ اس کے بچپن ہی میں مر گئی تھیں۔ محترمہ راحلہ آپ کو تو ان حالات کا علم ہو گا۔‘‘

’’نہیں میں نہیں جانتی۔‘‘

’’خیر آپ نہ جانتی ہوں گی۔ بہت پرانی بات ہوئی۔ شائد نیروبی والوں کو بھی یاد نہ ہو اور پھر

یہ کوئی ایسی اہم بات بھی نہیں تھی۔ بہرحال ایک رات وہ ہم لوگوں کیلئے ہمیشہ کیلئے غائب ہوگیا۔“

قاسم نے بھاڑ سا منہ پھیلا کر آواز کے ساتھ جماہی لی اور منہ چلاتا ہوا ایک ایک کی صورت دیکھنے لگا۔ پھر اس طرح پلکیں جھپکائیں جیسے سوتے سوتے اٹھا ہو۔

”پھر اچانک مجھے اس کا ایک خط ملا، جو یہیں سے پوسٹ کیا گیا تھا۔ یہ پانچ سال پہلے کی بات ہے۔ اس نے اپنی خستہ حالی کی داستان لکھی تھی۔ میں نے اُسے لکھا کہ وہ نیروبی واپس آجائے لیکن اس نے وہاں آنے سے انکار کر دیا۔ اُس نے مجھے لکھا کہ وہ زیادہ کا مطالبہ نہیں کرتا اُسے صرف اتنا ہی دیتا رہوں جس سے وہ بافراغت بسر اوقات کر سکے۔ میں اُسے تین ہزار روپے ماہوار الائیڈ بینک کی معرفت بھیجنے لگا۔ اس سے خط و کتابت بھی برابر رہتی تھی۔ ابھی پچھلے ماہ بھی اس نے الائیڈ بینک سے تین ہزار روپے وصول کئے تھے۔ اتفاقاً میرا یہاں آنے کا پروگرام بن گیا۔ میں نے اُسے بھی اپنے ارادے سے آگاہ کر دیا تھا۔ اب جو میں اس کی قیام گاہ پر جاتا ہوں تو مجھے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں اس نام کا کوئی آدمی کبھی تھا ہی نہیں۔ اُس عمارت میں ایک بیوہ مسز خان تقریباً پچیس سال سے رہتی ہے۔ میں نے پڑوسیوں سے بھی اس کی تصدیق کی۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ وہ رشید بابر نامی کسی آدمی کو نہیں جانتے۔“

”کیا آپ کے بھائی آپ کے ہم شکل تھے۔“ حمید نے پوچھا۔

”جی ہاں..... ہم میں بہت زیادہ مشابہت تھی..... خیر..... اب اپنے ہم شکل ایک فقیر کی کہانی سن رہا ہوں۔ میں بڑی الجھن میں ہوں کپتان صاحب۔ اگر رشید وہ رقم وصول کرتا رہا تو اُسے بھیک مانگنے کی کیا ضرورت تھی۔ اگر اُسے رقومات نہیں ملیں تو پھر انہیں کون وصول کرتا رہا۔ اگر وہ فقیر میرا ہم شکل تھا تو وہ رشید کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔“

”وہ یقیناً آپ کا ہم شکل تھا۔“ حمید نے ایک طویل سانس لی۔

”کیا آپ نے اُسے دیکھا تھا۔“ سعید نے بیساختہ پوچھا۔

”جی ہاں..... میں عرصہ تک آپ کے ہم شکل ایک فقیر کو دیکھتا رہا ہوں۔“

”اب مجھے یقین آگیا۔“ سعید نے آہستہ سے غمگین آواز میں کہا اور بیجان سا ہو کر صوفے کی پشت پر ڈھیر ہوگیا۔ اس کی پھٹی پھٹی سی آنکھوں میں ویرانی تھی۔ پھر اُس نے تھوڑی دیر بعد

کہا۔ ''میرے خدا۔۔۔ یہ کیا اندھیر ہے کہ ہو بھیک مانگتا پھر رہا ہے اور کسی نے پچھلے ماہ بھی اس کے نام سے تین ہزار روپے وصول کئے ہیں۔ میں نے الائیڈ بینک میں اچھی طرح تحقیق کی ہے۔ اس کا حساب بھی وہاں چلتا تھا۔ آخری رقم جو اس نے وہاں سے نکالی ہے وہ پچاس ہزار تھی اور تین ہزار تو ہر ماہ وصول کرتا رہتا تھا۔''

''وہ رقم کس تاریخ کو نکالی گئی تھی۔'' حمید نے پوچھا۔

''میرے یہاں پہنچنے سے تین دن پہلے یعنی..... سات جنوری کو۔''

''سات جنوری.....!'' حمید بے ساختہ چونک پڑا۔

''جی ہاں..... اسی تاریخ کو اُس نے پچاس ہزار روپے بینک سے نکالے تھے اور یہ آخری بڑی رقم تھی۔ اب اس کے اکاؤنٹ میں صرف سات روپے پڑے ہوئے ہیں۔''

''سات روپے..... سات جنوری۔'' حمید بڑبڑایا۔ ''اور یہی سات جنوری اُس کی موت کی بھی تاریخ ہے۔''

''موت.....!'' سعید بابر اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ ''یہ کیا کہہ رہے ہیں۔''

''کسی نہ کسی سے تو آپ کو اس کی اطلاع ملنی ہی تھی۔'' حمید نے آہستہ سے کہا۔

''جی ہاں..... سات جنوری کو اس کی لاش صدر کے ایک فٹ پاتھ پر دیکھی گئی تھی۔''

وہ دھم سے صوفے میں گر گیا اور تینوں لڑکیاں اس کے گرد اکٹھا ہو گئیں۔ وہ بیہوش نہیں ہوا تھا، لیکن ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُسے سکتہ ہو گیا ہو۔ آنکھیں کھلی ہوئی تھیں لیکن پلکیں یا پتلیاں متحرک نہیں تھیں۔

اچانک ایک فائر ہوا اور گولی راحلہ کے سر پر سے گذرتی ہوئی سامنے کی دیوار سے لگی۔ کھڑکی کے شیشے میں ایک ناہموار سا سوراخ تھا۔ راحلہ تو دھڑام سے فرش پر آ رہی اور دوسرے لوگ بدحواسی میں ادھر اُدھر بھاگنے لگے۔ حمید اچھل کر برآمدے میں آ رہا۔ اُس نے اس کھڑکی کی طرف دیکھا جس سے گذر کر گولی اندر پہنچی تھی اور پھر اس کے سیدھ میں دوڑنے لگا، لیکن اس کے سامنے والی مہندی کی باڑھ کے پیچھے اُسے کوئی بھی نہیں دکھائی دیا۔ سعید کے تینوں نوکر شاید فائر کی آواز سن کر ہی باہر آئے تھے۔

فائر اور لڑکی

حمید نے کمپاؤنڈ کا چپہ چپہ چھان مارا، لیکن اُسے ایک بھی ایسا آدمی نہیں مل سکا جسے وہ فائر کرنے کے الزام میں جکڑ لیتا۔ پھر اُس نے عمارت کے اندر بھی چھان بین شروع کی، لیکن نتیجہ کچھ نہ نکلا۔ سعید بابر بہت پریشان نظر آ رہا تھا۔

''ہوسکتا ہے کہ یہ فائر میرے ہی لئے رہا ہو۔'' اس نے کہا۔

''آپ کے لئے کیوں؟''

''جو میرے بھائی کی موت کا باعث بنا ہے، وہ میری زندگی کا خواہاں بھی ہوسکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس نے رشید کے نام پر ایک لاکھ اسی ہزار روپے وصول کئے۔ اب جب کہ میں یہاں آ گیا ہوں، لازمی بات ہے کہ ان واقعات کی رپورٹ پولیس کو دوں گا۔ لہٰذا قبل اس کے کہ میں ان کے خلاف کوئی کاروائی کروں، وہ مجھے بھی ختم کر دینا چاہتا ہے۔''

''نائیں..... نائیں۔'' قاسم حمید کی طرف ہاتھ اٹھا کر دھاڑا۔ ''یہ بڑا منحوس آدمی ہے۔ جہاں اس کے قدم جاتے ہیں، ٹھائیں ٹھائیں شروع ہو جاتی ہے۔''

''نہیں جناب یہ میری خوش قسمتی ہے کہ کپتان صاحب یہاں اس وقت تشریف رکھتے تھے، ورنہ غیر ملکیوں کی شکایات پر کون کان دھرتا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔''

''بڑی خوش قسمتی۔'' قاسم بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ ''ذرا بلاؤ..... وہ کون ہے مس بلیک..... اُسے بلاؤ پھر دیکھوں خوش قسمتی۔''

''میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔'' سعید بابر نے کہا۔

''قاسم بھائی..... کیا بکواس لگا رکھی ہے آپ نے۔'' راحلہ نے اُسے ڈانٹا اور قاسم بُرا سا منہ بنائے ہوئے دوسری طرف دیکھنے لگا۔

سعید بابر حیرت سے ایک ایک کی صورت دیکھ رہا تھا۔ راحلہ نے اپنی داہنی کنپٹی کے

قریب انگلی لے جا کر اُسے چکر دیا۔ مطلب یہ تھا کہ قاسم کا اسکریو ڈھیلا ہے۔

''اوہ..... اچھا.....!'' سعید بابر پھر حمید سے مخاطب ہو گیا۔ ''ہاں تو..... جناب اب میری زندگی بھی خطرے میں پڑ گئی ہے، لیکن میں اس وقت تک یہاں سے نہیں جاؤں گا جب تک کہ اُس مردود کا پتہ نہ لگ جائے جس کی بدولت میرا بھائی ایڑیاں رگڑ کر مر گیا۔''

''قدرتی بات ہے۔'' حمید سر ہلا کر بولا۔

اچانک ایک نوکر دوڑتا ہوا کمرے میں آیا۔ اُس کی سانسیں چڑھی ہوئی تھیں اور چہرہ سرخ تھا۔ ''مس صاحب.....!'' وہ ہانپتا ہوا بولا۔ ''گودام میں..... بورے میں!''

''کیا بات ہے۔'' سعید بابر اُسے گھورنے لگا۔

''مس صاحبہ..... گودام میں بیہوش.....!''

''ارے.....!'' وہ دروازے کی طرف جھپٹتا ہوا بولا۔ ''کپتان صاحب۔''

''آپ لوگ یہیں ٹھہریں۔'' حمید نے دوسروں سے کہا اور اس کے پیچھے چلا گیا۔ ابھی دروازے سے باہر بھی نہیں نکلا تھا کہ قاسم بڑبڑایا۔ ''کھالینا..... مس ساب کو..... ہاں۔''

راحلہ اُس پر برس پڑی۔

سعید بابر بڑی تیزی سے راہداری طے کر رہا تھا۔ پھر وہ ایک کمرے کے سامنے رکے جس کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ حمید نے محسوس کیا کہ سعید بابر اندر جاتے ہوئے ہچکچا رہا ہے۔ وہ شاید اُس نوکر کا منتظر تھا جس نے اُسے اطلاع دی تھی۔

''کہاں مر گئے تھے۔'' وہ اچانک نوکر پر برس پڑا جو لنگڑاتا ہوا اسی طرف آ رہا تھا۔

شاید اس بھاگ دوڑ میں اس کے پیر میں چوٹ آ گئی تھی۔

''اندر جناب..... وہ اُدھر.....!''

''چلو.....!'' سعید بابر نے اسے اندر جانے کا اشارہ کیا۔ نوکر کے پیچھے ہی پیچھے وہ دونوں بھی اندر داخل ہوئے۔

حمید کو سامنے ہی دو ٹانگیں نظر آئیں جن پر کشمشی رنگ کے اسٹاکنگ تھے اور ٹاپ ہیل جوتے..... آدھا دھڑ ایک بورے میں تھا۔

سعید بابر کے ہاتھ پیر بُری طرح کانپنے لگے تھے۔ آنکھیں حیرت سے پھیلی ہوئی تھیں اور وہ کسی اعصاب زدہ آدمی کی طرح مخبوط الحواس نظر آ رہا تھا۔

''یہ..... یہ کپتان صاحب..... میری سیکریٹری..... مس براؤن۔''

''تو پھر نکالئے نا..... پتہ نہیں یہ لاش ہے یا.....!''

''لاش.....!'' سعید بابر کے حلق سے چیخ سی نکلی اور لڑکھڑاتا ہوا دیوار سے جا لگا۔

''آپ بھی کمال کرتے ہیں۔'' حمید جھنجھلا گیا اور خود ہی سے اُسے بورے سے نکالنے کی کوشش کرنے لگا۔ پھر تھوڑی دیر بعد ایک بڑی خوبصورت انگریز لڑکی فرش پر چت پڑی ہوئی تھی۔ وہ مردہ نہیں تھی۔ صرف بیہوش تھی۔ مگر اب سعید بابر خوفزدہ نہیں تھا۔ البتہ اُس کے چہرے پر حیرت کے آثار ضرور تھے اور اس کا ملازم بھی متحیر ہی نظر آ رہا تھا۔

''کیا یہ یہیں پڑی رہے گی۔'' حمید نے کہا۔

''جی.....!'' سعید بیساختہ چونک پڑا۔ ''جی ہاں..... جی نہیں۔''

''مسٹر سعید۔'' حمید بولا۔ ''مجھے بڑی حیرت ہے۔ اُس فائر نے آپ کو اتنا زیادہ پریشان نہیں کیا تھا۔''

''ٹھیک ہے۔'' سعید بڑبڑایا۔ ''یہ واقعہ اُس فائر سے بھی زیادہ حیرت انگیز ہے۔''

''نہیں میرے خیال سے یہ بھی اُسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ ممکن ہے اس نے فائر کرنے والے کو دیکھ لیا ہو۔ یعنی فائر کرنے سے قبل! اور وہ اپنی اسکیم کو ناکام ہوتے دیکھ کر یہ حرکت کر بیٹھا ہو۔''

''مگر..... میں نہیں جانتا یہ کون ہے۔''

''کیا مطلب.....!'' حمید چونک کر اُسے گھورتا ہوا بولا۔ ''کیا مس براؤن نہیں ہے۔''

''نہیں..... یہ مس براؤن نہیں ہے۔'' سعید نے پرسکون لہجے میں جواب دیا۔

حمید نے نوکر کی طرف دیکھا اور نوکر بھی سر ہلا کر بولا۔ ''یہ اپنی مس ساب نہیں ہیں۔''

''آپ اسے پہچانتے بھی نہیں۔''

''نہیں جناب..... مجھے حیرت ہے۔ آخر یہ سب کیا ہو رہا ہے۔''

''مس براؤن کہاں ہے۔''

''وہ دو گھنٹے کے لئے باہر گئی ہے۔''

''مگر آپکے ملازم نے تو کہا تھا کہ صاحب سو رہے ہیں۔ میں مس صاحب کو خبر کرتا ہوں۔''

''میری جگہ اگر آپ بھی ہوتے تو یہی کرتے۔''

''یعنی.....!''

''آپ خود سوچئے کپتان صاحب، ایسے آدمی کی حالت کیا ہوگی جس کا کوئی ہم شکل فقیر بھی موجود ہو۔ تصویر شائع ہوتے ہی پریس رپورٹروں کا تار بندھ گیا۔ سینکڑوں آدمی بھی دیکھنے کیلئے آئے۔ میرے خدا..... میں حیلہ نہ کرتا تو اور کیا کرتا۔ لسلی براؤن لوگوں سے گفتگو کرتے کرتے تنگ آ گئی اور اسے بھی ٹل جانا پڑا۔ ملازم کو شائد علم نہیں تھا کہ وہ باہر چلی گئی ہے۔''

''اوہ..... اچھا! مگر یہ واقعی بڑی حیرت انگیز بات ہے۔ گولی باہر سے چلائی گئی تھی۔ اگر اس لڑکی نے حملہ آور کو دیکھ لیا تھا تو حملہ آور نے اسے بیہوش کر کے یہاں اندر لانے کا خطرہ کیوں مول لیا۔ وہ اُسے کمپاؤنڈ ہی میں کہیں بیہوش کر کے ڈال سکتا تھا۔''

''میں بھی یہی سوچ رہا ہوں کپتان صاحب۔ آخر اسے یہاں لانے کی کیا ضرورت تھی۔ میں یقیناً کسی بہت بڑی سازش کا شکار ہو گیا ہوں۔''

چند لمحہ خاموش رہ کر پھر حمید نے کہا۔ ''کیا یہ یہیں پڑی رہے گی۔''

''جو کچھ آپ فرمائیں کیا جائے۔'' سعید نے جواب دیا۔

''اسے کسی ہوادار کمرے میں لے چلنا چاہئے۔''

''نہیں!'' سعید بولا..... ''بیرونی برآمدے میں..... نہ جانے یہ ہوش میں آ کر کون سا فتنہ کھڑا کرے۔ نہیں کپتان مجھے بہت محتاط رہنا چاہئے۔''

''ہوں.....!'' حمید نے سر ہلا دیا۔ ویسے وہ سوچ رہا تھا کہ اُسے اُس کو اٹھانے میں پہل نہ کرنی چاہئے۔ سعید بابر حمید کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''اسے اٹھایئے۔'' حمید نے کہا۔

''میں کیوں اٹھاؤں۔'' سعید بابر جھنجھلائے ہوئے سے لہجے میں بولا۔

حمید نے نوکر کی طرف دیکھا۔ وہ بھی کانپتا ہوا پیچھے ہٹ گیا۔ پھر حمید نے بیہوش لڑکی کو اٹھالیا اور بیرونی برآمدے کی طرف جانے والی راہداری طے کرنے لگا۔ سعید بابر اس کے پیچھے چل رہا تھا۔

قاسم کی نظر اس جلوس پر پہلے پڑی اور وہ بیساختہ چنگھاڑا۔ "دیکھا..... میں نہ کہتا تھا..... ہاہا۔"

"چلو..... ایک صوفہ اٹھالاؤ اندر سے.....!"

"اچھا..... اچھا.....!"

قاسم نے ڈرائنگ روم کا ایک صوفہ اس طرح اٹھالیا جیسے وہ کوئی کھلونا ہو۔ صوفہ برآمدے میں ڈال دیا گیا اور بیہوش لڑکی اس پر ڈال دی گئی۔ قاسم منہ کھولے پلکیں جھپکا رہا تھا۔ کبھی وہ حمید کی طرف دیکھتا اور کبھی بیہوش لڑکی کیطرف۔ تینوں لڑکیاں بھی وہیں پہنچ گئی تھیں۔

تقریباً پندرہ یا بیس منٹ تک وہ مختلف تدبیریں عمل میں لاتے رہے لیکن اُسے ہوش نہیں آیا، مگر اس دوران میں نہ تو سعید ہی نے کسی ڈاکٹر کو بلانے کی تجویز پیش کی اور نہ ہی حمید نے اس کے متعلق سوچا۔

پورے آدھ گھنٹے کے بعد لڑکی کسمسائی۔ پپوٹوں میں متواتر جنبش ہونے لگیں اور پھر اس نے کروٹ لینے کی کوشش کی، لیکن سلیمہ اگر جلدی سے آگے بڑھ کر ہاتھ نہ لگا دیتی تو وہ صوفے کے نیچے چلی آئی ہوتی۔ سلیمہ کا ہاتھ لگتے ہی وہ اچھل کر بیٹھ گئی۔ چند لمحے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھتی رہی پھر ہذیانی انداز میں چیخی۔

"میں یہاں نہیں رہوں گی..... میں اس ملک میں نہیں رہوں گی۔"

"وہ سب خاموش رہے۔"

"مسٹر بابر میں آپ سے کہہ رہی ہوں۔" وہ پھر اُسی انداز میں چیخی۔ "میں واپس جاؤں گی۔"

"آپ مجھے کیا جانیں..... آپ کون ہیں۔" بابر نے پوچھا۔

"کیا.....؟" لڑکی اچھل کر کھڑی ہوگئی۔

"آپ کون ہیں! یہاں کیسے آئیں۔" بابر نے پھر اپنا سوال دہرایا۔

"میں مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔" لڑکی نے بُرا سا منہ بنا کر تلخ لہجے میں کہا۔ "میرا

سر چکرا رہا ہے۔ وہ کم بخت میرا گلا گھونٹ رہا تھا۔ یہ مکان بھوتوں کا مسکن ہے۔ میں اب یہاں نہیں رہوں گی۔"

"تم مجھے اُلو نہیں بنا سکتیں۔" دفعتاً سعید بابر گرجا۔ "یہاں ایک سرکاری آفیسر بھی موجود ہیں سمجھیں۔"

"مسٹر بابر.....!" لڑکی نے متحیرانہ آواز میں کہا۔

"تم کون ہو۔ کیا چاہتی ہو۔" سعید بابر نے سخت لہجے میں کہا۔

"میں مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔" لڑکی ہاتھ ہلا کر رو دینے کے سے انداز میں ہنسی۔

"ہاں.....!" قاسم بڑے خلوص سے بڑبڑایا۔ "آپ خواہ مخواہ مذاق کر رہے ہیں۔ ان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

"میں پوچھتا ہوں تم کون ہو۔" سعید بابر جھلا گیا۔ "سیدھی طرح بتاؤ، ورنہ میں پولیس کو رنگ کروں گا۔"

"مسٹر بابر کیا آپ کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔" لڑکی بھی چیخ پڑی۔ "آپ مجھے نہیں پہچانتے..... لسلی براؤن کو نہیں پہچانتے۔"

"لسلی براؤن....." بابر حلق پھاڑ کر چیخا۔ "تم مجھے اندھا بنا رہی ہو۔ پاگل بنا رہی ہو۔ تم لسلی براؤن ہو، دن دہاڑے میری آنکھوں میں دھول جھونکو گی۔"

"میں پاگل ہو جاؤں گی۔ تم مجھے جھٹلا رہے ہو۔" لڑکی اپنے بال نوچنے لگی اور حمید بوکھلا گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کسے جھوٹا سمجھے اور کسے سچا۔

"اُمیں..... یہ تمہارے قدم کی برکت ہے..... ہاں۔" قاسم نے ہنس کر حمید سے کہا۔

حمید اس کی طرف دھیان دیئے بغیر بولا۔ "آپ سب براہِ کرم خاموش رہیں۔" پھر اُس نے لڑکی سے پوچھا۔ "تم لسلی براؤن ہو۔"

"میں نہیں جانتی۔" لڑکی غرائی۔ "یہ اچھا مذاق ہے۔ لوگ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ میں لسلی براؤن ہوں۔ مسٹر بابر اگر آپ نے مجھے اس طرح ذلیل کرنا تھا تو یہاں لائے کیوں تھے۔"

"مسٹر بابر..... تمہیں لسلی براؤن تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں۔" حمید نے کہا۔

''تب تو پھر وہ نشے میں ہیں یا اُنکا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ آپ ان نوکروں سے پوچھیے۔''

مگر نوکروں نے بھی اُسے لسلی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔

''اب تم کیا کہو گی۔'' حمید بولا۔ ''یہ بھی تمہیں پہچاننے سے انکار کرتے ہیں۔''

لسلی براؤن غصیلی آنکھوں سے ایک ایک کو دیکھتی رہی۔ پھر اس نے سعید بابر سے کہا۔

''مسٹر بابر میں کیا سمجھوں۔ کیا آپ یہاں ایک اجنبی ملک میں مجھے ملازمت سے برطرف کرنا چاہتے ہیں۔''

''کپتان صاحب! میں سچ مچ پاگل ہو جاؤں گا۔'' سعید بابر نے حمید سے کہا۔ ''یہ کوئی بہت بڑی سازش ہے۔ اسے حراست میں لیجئے۔ مگر لسلی براؤن..... وہ یقیناً خطرے میں ہوں گی۔ یہ لڑکی نکل کر جانے نہ پائے ورنہ لسلی براؤن کی موت کے ذمہ دار آپ ہوں گے۔''

''آپ نتائج اخذ کرنے میں جلدی کر رہے ہیں۔'' حمید نے خشک لہجے میں کہا۔

پھر لڑکی سے بولا۔ ''تمہارے پاس کیا ثبوت ہے کہ لسلی براؤن تم ہو۔''

''ثبوت..... خدا کی پناہ..... ارے ثبوت میں میرے کاغذات موجود ہیں۔ میرا پاسپورٹ جس پر میری تصویر موجود ہے۔''

''میں پاسپورٹ دیکھنا چاہتا ہوں۔''

''میں ابھی لاتی ہوں.....!'' وہ اٹھ کر عمارت کے اندر جانے لگی۔

''ہائیں..... ہائیں۔'' سعید بابر متحیرانہ انداز میں چیخا۔ ''اندر کہاں..... خبردار۔''

لڑکی نے دروازے پر رک کر اُسے غصیلی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''کیا آپ میرا سامان بھی ہضم کر لیں گے۔ میں اپنے کمرے میں جا رہی ہوں۔ اپنے صندوق سے پاسپورٹ نکالوں گی۔''

''کیا میں خواب دیکھ رہا ہوں۔'' سعید بابر نے اپنے بازو میں زور سے چٹکی لی اور ''سی'' کر کے رہ گیا۔

''میں اور مسٹر بابر تمہارے ساتھ چلیں گے ٹھہرو۔'' حمید نے کہا اور سعید کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کر کے آگے بڑھ گیا۔

''چلو گھر چلیں۔'' قاسم نے لڑکیوں سے کہا۔ وہ کچھ بوکھلایا ہوا سا نظر آنے لگا تھا۔

انگریز لڑکی بڑی تیزی سے چلتی رہی۔ ایک کمرے کے دروازے پر رک کر اُس نے کنجی نکالی اور اُسے ہینڈل کے سوراخ میں ڈال کر دروازہ کھولا اور کمرے میں چلی گئی۔

''یہ غلط ہے..... یہ ناممکن ہے..... یہ لسلی کی چیزوں میں ہاتھ نہیں لگا سکتی۔'' سعید بابر نے کہا اور حمید کی طرف جواب طلب نظروں سے دیکھنے لگا۔

''ٹھہریئے..... صبر سے کام لیجئے۔ زیادہ بے صبری اچھی نہیں ہوتی۔'' حمید بولا۔

لڑکی پاسپورٹ لئے ہوئے کمرے سے نکل آئی۔ اُس کے چہرے پر شدید غصے کے آثار تھے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ذرا سی ٹھیس پر پھٹ پڑے گی۔

''یہ لیجئے..... یہ ہے پاسپورٹ..... مگر مجھے یقین ہے کہ میں پاگل ہو جاؤں گی۔''

حمید پاسپورٹ لے کر دیکھنے لگا..... تصویر اسی لڑکی کی تھی۔ نام لسلی براؤن، سکونت نیروبی، پیشہ ملازمت اور پتہ سعید بابر ہی کا تھا۔ حمید نے پاسپورٹ سعید بابر کی طرف بڑھا دیا۔

''یہ فراڈ ہے۔ کھلا ہوا فراڈ۔ میں دلدل میں پھنس رہا ہوں۔''

''تم خود فراڈ ہو۔'' لڑکی ہذیانی انداز میں چیخی اور حمید کا ہاتھ پکڑ کر کمرے میں گھسیٹ لے گئی۔ ''یہ دیکھئے..... یہ ساری چیزیں میری ہیں۔ یہ جوتے میرے پیروں میں فٹ ہوتے ہیں، یہ ملبوسات میرے جسم پر فٹ ہوتے ہیں۔''

سعید بابر بھی کمرے میں گھس آیا تھا۔ لڑکی مختلف جوتے اور سینڈل پہن پہن کر حمید کو دکھانے لگی۔

''ان صندوقوں کی کنجیاں میرے پاس ہیں۔'' اس نے کہا..... اور سعید بابر کو گھونسہ دکھا کر چنگھاڑی۔ ''یہ کمینہ پن ہے..... تم مجھے اس اجنبی دیس میں ملازمت سے برطرف نہیں کر سکتے۔ اگر یہاں کا قانون میرا ساتھ نہیں دے گا تو میں تمہیں گولی مار دوں گی۔''

''آپ سن رہے ہیں۔'' سعید بابر نے حمید سے کہا۔

''ہاں میں سن رہا ہوں مسٹر سعید بابر! لیکن فی الحال کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا۔ اس کے کاغذات پولیس کو مطمئن کر دینے کے لئے کافی ہوں گے۔ آپ یا آپ کے تین نوکروں کے

بیانات ان کاغذات کے سامنے کوئی وقعت نہیں رکھتے..... یا پھر آپ کوئی ٹھوس ثبوت پیش کیجئے کہ وہ لسلی براؤن نہیں ہے۔"

"میں ڈوب گیا۔" سعید بابر آہستہ سے بڑبڑایا بلکہ اسی انداز میں جیسے خود سے مخاطب ہو۔ پھر اُس نے حمید سے کہا۔ "کیا آپ کی موجودگی میں مجھ پر فائر نہیں کیا گیا تھا۔"

"آپ یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ وہ فائر آپ ہی کے لئے تھا۔ ہوسکتا ہے نشانہ اور کوئی رہا ہو۔ آپ کے علاوہ کمرے میں پانچ افراد اور بھی تھے۔"

"ان حالات میں..... جبکہ..... میرا بھائی۔"

"اس کے لئے بھی آپ کے پاس کوئی واضح ثبوت نہیں ہے۔ محض شباہت کی بناء پر وہ فقیر آپ کا بھائی نہیں ہوسکتا۔ اپنے بھائی کی تلاش جاری رکھئے۔ ہوسکتا ہے وہ کسی بناء پر آپ کے سامنے نہ آنا چاہتا ہو۔"

"آپ تو میرا بیڑا ہی غرق کئے دے رہے ہیں۔" سعید بابر نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"فی الحال آپ اس لڑکی کا معاملہ طے کیجئے۔"

"معاملہ کیا طے کرنا ہے۔ مجھے پاگل کتے نے نہیں کاٹا ہے کہ اسے اپنے ساتھ رہنے دوں۔ یہ حوالات میں رہے گی۔ اس وقت تک جب تک کہ میری سیکریٹری لسلی براؤن کا پتہ نہ بتا دے۔ اس کے پاس اُس کے صندوقوں کی کنجیاں تک موجود ہیں۔"

"اچھی بات ہے۔" حمید نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی۔ "آپ براہِ راست پولیس سے رابطہ قائم کیجئے۔"

"لیکن آپ میری مدد نہیں کریں گے۔" سعید بابر نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔ "حالانکہ آپ میرے دوستوں کے دوست ہیں۔"

"اور ایک ذمہ دار آفیسر بھی۔" حمید نے خشک لہجے میں کہا اور واپسی کے لئے مڑ گیا۔

ڈرائنگ روم میں صرف راحلہ موجود تھی۔ قاسم وغیرہ جا چکے تھے۔ حمید سوچنے لگا کہ کم از کم سلیمہ کو تو اس کا انتظار کرنا ہی چاہئے تھا۔

"بکواس بند کرو۔ میرے کان نہ کھاؤ۔" فریدی نے ہاتھ جھٹک کر کہا۔ حمید کو بڑی حیرت ہوئی۔ سعید بابر والا واقعہ ایسا ہی تھا کہ معمول کے مطابق فریدی کو اس میں کافی دلچسپی لینی چاہئے تھی۔ پھر حمید کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ فریدی بولا۔ "فی الحال صرف اتنی ہی بات میں قانون دلچسپی لے سکتا ہے کہ سعید بابر کے ڈرائنگ روم میں کسی نے فائر کیا تھا وہ بھی اُس صورت میں جب سعید بابر اس کی اطلاع پولیس کو دے۔"

"بس اتنی سی بات۔" حمید نے مایوسی سے کہا۔ "مگر وہ اس لڑکی کا معاملہ۔"

"وہ بھی کچھ نہیں ہے۔ سعید بابر کو چاہئے کہ کیس کو اپنے سفارت خانے میں پیش کرے۔ ہم سے براہِ راست اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ ویسے اگر تمہیں لڑکی کے معاملے میں تفتیش تفریحاً کرنی ہو تو فارن برانچ میں جا کر اس کے ویزا کا انکوائری فارم نکلوا لو۔ اس پر لسلی براؤن کی تصویر موجود ہوگی۔"

حمید اٹھ کر دفتر کے اُس کمرے میں آیا جہاں باہر سے آنے والوں کے کاغذات کا ریکارڈ رہتا تھا۔ اُس نے متعلقہ کلرک سے پچھلے ایک ماہ کے کاغذات نکالنے کو کہا۔ اُسے ان لوگوں کی آمد کی صحیح تاریخ کا علم نہیں تھا۔ کلرک نے دو ہی چار فارم الٹے تھے کہ حمید کی نظر اُسی لڑکی کی تصویر پر پڑی جو سعید بابر کے یہاں بیہوش ملی تھی۔ اس نے فارم کا ایک ایک کالم دیکھ ڈالا اور پھر اُسے تسلیم کر لینا پڑا کہ لسلی براؤن اُس لڑکی کے علاوہ اور کوئی نہیں ہوسکتی۔

حمید پھر فریدی کے کمرے میں واپس آیا۔ فریدی غور سے اس کی بات سنتا رہا۔ پھر بولا۔

"بس تو یہ سعید بابر کوئی فراڈ کر رہا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ کسی وجہ سے وہ اُس لڑکی سے اپنا پیچھا چھڑانا چاہتا ہو۔ مگر وہ بڑا احمق معلوم ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ کاغذات کی موجودگی میں اس کی بات کون سنے گا۔"

"نہیں جناب! وہ اتنا احمق نہیں ہوسکتا کہ اس قسم کی کوئی حرکت کرے۔ وہ کافی چالاک آدمی معلوم ہوتا ہے۔"

"ہوسکتا ہے کہ وہ خود ہی کسی سازش کا شکار ہو گیا۔ مگر کسی شکایت کے بغیر ہم کوئی کارروائی

کیسے کر سکتے ہیں۔"

اچانک ریسپشن روم کے اردلی نے کمرے میں داخل ہو کر کسی کا وزیٹنگ کارڈ حمید کو دیا۔

"اوہو.....سعید بابر۔" حمید بڑبڑایا۔ پھر اردلی سے پوچھا۔ "تنہا ہے۔"

"جی ہاں.....!"

"اچھا کہہ دو میں آرہا ہوں۔"

اردلی چلا گیا۔ حمید نے فریدی کیطرف دیکھ کر کہا۔ "پتہ نہیں اب وہ کیا سنانے آیا ہے۔"

"تم چلو! میں بھی آرہا ہوں۔ اس آدمی کو کم از کم دیکھ ہی لوں۔ لیکن تم اُس سے میرا تعارف نہیں کراؤ گے۔"

"یعنی میں آپ سے گفتگو بھی نہیں کروں گا۔"

"نہیں قطعی نہیں۔"

حمید اٹھ گیا۔ ریسپشن روم میں سعید بابر اس کا منتظر تھا۔ حمید نے اُس کے چہرے پر دلی کیفیات پڑھ لیں۔ وہ بہت زیادہ پریشان معلوم ہوتا تھا۔

" کپتان صاحب! آپ خفا ہو کر چلے آئے تھے۔ حالانکہ میں مظلوم اور آپ کی امداد کا مستحق ہوں۔ کیا آپ سوچ سکتے ہیں کہ میں کسی وجہ سے اس لڑکی کو لسلی براؤن تسلیم نہیں کرنا چاہتا۔ کیا میں اتنا احمق ہوں کہ کاغذات کو جھٹلا کر خواہ مخواہ اپنی گردن پھنسانے کی کوشش کرونگا۔"

"یہی تو میں بھی نہیں سمجھ سکتا۔"

"اب میں آپ کو لسلی براؤن کا پاسپورٹ دکھانے لایا ہوں۔ اُس وقت میں بہت زیادہ الجھن میں تھا اور یہ بھول گیا تھا کہ لسلی براؤن کا پاسپورٹ میرے ہی پاس موجود ہے۔"

اُس نے جیب سے ایک پاسپورٹ نکال کر حمید کی طرف بڑھا دیا۔ اس پاسپورٹ کی تصویر اس لڑکی سے مختلف تھی۔ بہت فرق تھا۔ زمین و آسمان کا فرق..... اتنے میں فریدی بھی ریسپشن روم میں آ گیا۔

"اچھا تو آپ نے اور اس لسلی نے ساتھ ہی اپنی آمد یہاں یہاں درج کرائی تھی۔" حمید نے پوچھا۔

''جی ہاں..... ہم دونوں ساتھ آئے تھے۔ انکوائری فارم تو ہوگا آپ کے یہاں۔ آپ اپنا اطمینان کر لیجئے۔''

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ فریدی نے اُسے آنکھ ماری۔ حمید سمجھ گیا کہ وہ اسے دوسرے انکوائری فارم کا تذکرہ کرنے سے روکنا چاہتا ہے۔

''اچھا جناب.....!'' حمید نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ ''آپ یہ پاسپورٹ میرے پاس چھوڑ دیجئے۔ میں دیکھوں گا۔''

''مگر میں لسلی کے لئے کیا کروں۔ وہ صرف دو گھنٹے کے لئے باہر گئی تھی لیکن چار گھنٹے گذر چکے ہیں کپتان صاحب! پتہ نہیں وہ کس حال میں اور کہاں ہوگی۔ اُس کے لئے کچھ کیجئے۔ آپ میرے دوستوں کے دوست ہیں۔ آپ پر میرا حق ہے۔''

''وہ کہاں گئی تھی۔''

''اس نے کسی جگہ کا نام نہیں لیا تھا۔ بس وہ پریس رپورٹروں کے ہجوم سے گھبرا کر چلی گئی تھی۔''

''میں دیکھوں گا کہ اُس کے لئے کیا کرسکتا ہوں۔'' حمید نے کہا۔ ''اچھا وہ لڑکی اس وقت کہاں ہے۔''

''میں اُسے نوکروں کی نگرانی میں چھوڑ کر آیا ہوں۔ ویسے وہ لسلی براؤن اس لئے بنی ہے کہ ہر وقت میرے سر پر سوار رہے۔ یہ میرا اپنا خیال ہے۔ میں پھر کہتا ہوں کہ لسلی براؤن کی زندگی خطرہ میں ہوگی۔ کچھ کیجئے۔''

حمید نے فریدی کی طرف دیکھا جو سعید بابر کو بغور دیکھ رہا تھا۔

''میں کچھ نہ کچھ ضرور کروں گا۔ آپ مطمئن رہئے۔'' حمید آہستہ سے بولا۔

سعید بابر زیادہ دیر نہیں ٹھہرا۔ فریدی اس دوران میں خاموش ہی رہا تھا۔ سعید کے چلے جانے پر وہ اٹھا اور حمید سے مخاطب ہوئے بغیر ریسپشن روم سے چلا گیا۔

حمید ایک بار پھر ریکارڈ روم میں بیٹھا فارموں کا فائیل الٹ رہا تھا۔ اسے یقین تھا کہ اس پاسپورٹ کا ویزا انکوائری فارم فائیل میں موجود نہ ہوگا۔ مگر دوسرے ہی لمحے میں اس کی کھوپڑی ناچنے لگی کیونکہ اس دوسری لسلی براؤن کا انکوائری فارم بھی فائیل میں موجود تھا اور اس لڑکی کی

آمد بھی اسی تاریخ کو ہوئی تھی جس تاریخ کو دوسری لڑکی کی ہوئی تھی۔

وہ سناٹے میں آ گیا....اپنی نوعیت کا واحد کیس.....وہ کافی دیر تک اسی طرح بیٹھا رہا۔

حیرت انگیز نشانات

سعید بابر بے خبر سو رہا تھا۔ اچانک اُس کی آنکھ کھل گئی۔ پتہ نہیں وہ کسی قسم کی آواز تھی یا سعید بابر کی چھٹی حس..... جس نے اُسے جگا دیا تھا وہ اٹھ بیٹھا۔ کمرہ کی کھڑکیاں بھی بند تھیں۔ سعید نے گھڑی کی طرف دیکھا دو بج رہے تھے۔ سردیوں کی پہاڑ سی رات کائنات پر مسلط تھی۔

دفعتاً اُسے داہنی طرف کی کھڑکی میں ہلکی سی سرسراہٹ سنائی دی، وہ دبے پاؤں بستر سے اٹھا۔ اُس کے چہرے پر ذرہ برابر بھی بے اطمینانی یا پریشانی کے آثار نہیں تھے۔ وہ پنجوں کے بل چلتا ہوا میز کے قریب آیا۔ بہ آہستگی اس کی دراز کھینچی اور اندر ہاتھ ڈال کر ایک ریوالور نکالا جس کا دستہ ہاتھی دانت کا تھا۔ اُس نے اُس پر اپنی گرفت مضبوط کر لی۔

کمرے میں مدھم سی نیلے رنگ کی روشنی تھی۔ اچانک وہی کھڑکی اپنے فریم سمیت ہلنے لگی جس میں سرسراہٹ کی آواز ہوئی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ فریم سمیت دیوار سے نکل کر فرش پر آ گرے گی۔ چاروں طرف کا پلاسٹر اُدھڑتا جا رہا تھا۔

پھر اچانک وہ فرش پر آ گری اور ساتھ ہی سعید نے دیوار کی خلاء میں فائر کر دیا۔

ایک چیخ دور تک سناٹے میں لہراتی چلی گئی۔ مگر وہ چیخ نہیں ہو سکتی تھی، وہ تو کسی ریلوے انجن کی سیٹی تھی۔ اُس کے فوراً بعد ہی ایسی آوازیں آنے لگیں جیسے کوئی ریلوے انجن پے در پے اسٹیم چھوڑ رہا ہو۔ پھر بھاگتے ہوئے بھاری قدموں کی آوازیں۔ سعید بابر نے ریوالور خالی کر دیا۔

ذرا ہی سی دیر میں پھر وہی پہلے کا سا سناٹا طاری ہو گیا، لیکن سعید بابر نے اپنے کمپاؤنڈ میں ہی کار اسٹارٹ ہونے کی آواز سنی تھی۔ اُسے یقین تھا کہ کار وہیں سے اسٹارٹ ہوئی۔

پھر وہ بڑی تیزی سے باہر نکلا۔ ساری عمارت سُنسان پڑی تھی۔ لیکن اب وہ اتنا احمق بھی نہیں تھا کہ کمپاؤنڈ میں ٹارچ روشن کرتا۔ نوکروں کے کوارٹروں میں بھی روشنی نہیں نظر آ رہی تھی۔ پتہ نہیں وہ سو رہے تھے یا خوف کی وجہ سے باہر نکلنے کی ہمت نہیں رہ گئی تھی۔ سعید تھوڑی دیر تک

برآمدے میں کھڑا رہا پھر اندر چلا گیا۔ ایک کمرے میں پہنچ کر اندھیرے میں ٹٹولتا ہوا فون کی طرف گیا اور محض ہندسوں کی ترتیب کو ذہن میں رکھ کر اندھیرے ہی میں کسی کے نمبر ڈائیل کرنے لگا۔ دوسری بار ریسیور اٹھا لیا گیا۔

''ہیلو.....!'' دوسری طرف سے ایک بھرائی ہوئی سی آواز آئی۔

''میں کیپٹن حمید صاحب سے ملنا چاہتا ہوں۔''

''کون صاحب ہیں۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''اُن سے کہیئے کہ سعید بابر فون پر ہے۔''

''وہ سو رہا ہے۔''

''آپ کون ہیں؟''

''فریدی.....!''

''اوہ.....کرنل صاحب.....معاف فرمایئے گا۔ میں نے ناوقت آپ کو تکلیف دی۔ میں خطرے میں ہوں جناب.....کسی نے میری خواب گاہ کی کھڑکی گرا کر اندر گھسنے کی کوشش کی تھی۔ میں نے فائر کر دیا۔ اب سناٹا ہے، لیکن مجھ میں اتنی ہمت نہیں ہے کہ روشنی کر سکوں۔''

''کیا کہا آپ نے.....کھڑکی گرا دی گئی۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''جی ہاں.....فریم سمیت دیوار سے نکل آئی ہے۔''

''یہ کیسے ممکن ہے۔''

''مجھے خود حیرت ہے جناب.....میں کسی قسم کی آواز سن کر جاگ پڑا تھا۔ میں نے کھڑکی کے چاروں طرف کا پلاسٹر اُدھڑتے دیکھا۔ پھر فریم اپنی جگہ سے کھسکا اور پوری کھڑکی اندر آ گری۔ بالکل ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی آہستہ آہستہ اُس پر زور آزمائی کر رہا ہو، ہیلو.....جی ہاں.....آپ خود سوچیئے..... مجھے بالکل تنہا سمجھئے۔ میں نے چھ فائر کئے تھے، لیکن نوکروں کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ وہ بدستور اپنے کوارٹروں میں ہیں۔''

''لڑکی کہاں ہے۔''

''میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ رات کا کھانا اُس نے زبردستی میرے ساتھ کھایا تھا اور لسلی

براؤن کے کمرے میں سونے چلی گئی تھی۔ اب ایک اور مصیبت آ گئی ہے، ہم اپنے یہاں کے ناظم الامور کے دفتر میں گئے تھے، وہاں سے حکم ملا ہے کہ انکوائری کے درمیان میں میں اُسے اپنی ہی نگرانی میں رکھوں۔''

''جی ہاں۔'' دوسری طرف سے آواز آئی ''میں آ رہا ہوں، آپ جہاں ہیں وہیں ٹھہریئے، غالباً وہ کھڑکی باہر ہی کی طرف سے کھلتی رہی ہوگی۔''

''جی ہاں۔''

''کس طرف۔''

''بائیں بازو کی..... دیکھئے بتاتا ہوں، چوتھی.....نہیں پانچویں..... ہاں پانچویں ہی تو ہے دیکھئے وہ بائیں بازو کی پانچویں کھڑکی ہے۔''

''اچھا..... آپ وہیں ٹھہریئے جہاں اس وقت ہیں۔'' دوسری طرف سے آواز آئی اور سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔ سعید بابر چند لمحے وہیں کھڑا رہا پھر ٹٹولتا ہوا ایک طرف چل پڑا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ بہت جلدی میں ہو۔ کئی جگہ تو لڑکھڑا کر گرتے گرتے بچا۔ لیکن وہ بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ پھر ایک کمرے میں گھس کر اس کا دروازہ اندر سے بند کر لیا۔

لیکن زیادہ دیر تک اندر نہیں ٹھہرا۔ اب وہ پھر اُسی کمرے کی طرف جا رہا تھا جہاں ٹھہرنے کی فریدی نے تاکید کی تھی۔ اب کیا وقت تھا۔ سعید اندازہ نہیں کر سکا۔ لیکن اُسے اس کا احساس تھا کہ فون کرنے کے بعد سے اب تک ایک گھنٹے کی مدت ضرور گذری ہوگی۔

اچانک اندر گھنٹی بجی۔ شاید برآمدے میں کوئی گھنٹی کا بٹن دبا رہا تھا۔ سعید نے سوچا آنے والا فریدی کے علاوہ اور کون ہوگا۔

وہ برآمدے کی طرف جھپٹا..... برآمدے میں اندھیرا تھا۔

''مسٹر بابر.....!'' کسی نے برآمدے سے کہا۔

''کون.....اوہ.....کیا.....کرنل صاحب۔''

''ہاں.....میں ہوں.....اب آپ روشنی کر سکتے ہیں۔''

سعید بابر نے سوئچ بورڈ ٹٹول کر برآمدے میں روشنی کر دی۔ اس کے سامنے ایک دراز قد

آدمی سیاہ السٹر اور سیاہ فلٹ ہیٹ میں کھڑا تھا۔ روشنی ہوتے ہی اس نے فلٹ ہیٹ کا گوشہ اوپر اٹھا دیا۔ سعید بابر کو ابھی تک فریدی سے ملنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ ویسے اس نے اس کی شہرت بہت پہلے سنی تھی۔ افریقہ کے پولیس افسروں میں اکثر اس کے تذکرے رہا کرتے تھے کیونکہ وہ بین الاقوامی شہرت کا مالک تھا۔

''خوش آمدید.....!'' سعید بابر ہاتھ پھیلا کر آگے بڑھتا ہوا بولا۔ ''ہم پہلی بار مل رہے ہیں کرنل صاحب! آپ کے متعلق میرا اندازہ غلط تھا، آپ تو مجھ سے بھی کم عمر معلوم ہوتے ہیں۔''

''میں آپ کی خواب گاہ دیکھنا چاہتا ہوں مسٹر بابر۔'' فریدی نے آہستہ سے کہا۔

اس دوران میں اس کی نظر ایک بار بھی سعید بابر کے چہرے سے نہیں ہٹی تھی۔

''اوہ..... جی ہاں..... آیئے۔'' سعید بابر نے کہا اور آگے بڑھ کر ٹارچ کی روشنی میں اسے راستہ دکھانے لگا۔

وہ خواب گاہ میں آئے جہاں کھڑکی فریم سمیت اب بھی فرش پر پڑی ہوئی تھی اور اس کے دونوں طرف ادھڑے ہوئے پلاسٹر کے ڈھیر تھے۔ فریدی چند لمحے تیز نظروں سے کمرے کا جائزہ لیتا رہا پھر ایک طرف ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''آپ نے شاید وہاں سے فائر کیا تھا۔''

''جی ہاں وہیں سے۔''

''آپ کے فائر سے کوئی زخمی ہوا ہے، کیونکہ باہر دیوار پر خون ہے۔''

''اوہ..... میں نے ایک چیخ سنی تھی..... مگر.....!''

''مگر..... کیا.....!''

''میں وثوق سے نہیں کہہ سکتا کہ وہ چیخ ہی تھی۔ جناب عجیب طرح کی آواز تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کسی ریلوے انجن کی سیٹی ہو۔ پھر ایسی آوازیں آنے لگیں جیسے انجن رہ رہ کر تیزی سے اسٹیم چھوڑ رہا ہو۔''

''جناب میری معلومات میں کوئی نیا اضافہ ہونے والا ہے۔'' فریدی مسکرایا۔

''یقین کیجئے..... جو کچھ میں نے سنا تھا عرض کر دیا۔''

''اس کھڑکی کے نیچے کچھ بڑے عجیب قسم کے نشانات ہیں۔'' فریدی نے دیوار کی خلاء کی

طرف اشارہ کیا اور پھر سعید بابر کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

''ان نشانات کا مطالعہ میرے لئے بڑا دلچسپ ثابت ہوگا۔'' اس نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

''کیسے نشانات ہیں۔''

''اگر آپ دیکھنا چاہیں.....!''

''میں ضرور دیکھوں گا.....!'' سعید بابر نے کہا اور فریدی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ وہ دونوں کمپاؤنڈ میں آئے۔ ان کے ہاتھوں میں ٹارچیں تھیں۔ عمارت کے بائیں بازو کی طرف پہنچ کر فریدی رک گیا اور بولا۔

''ذرا احتیاط سے..... میں روشنی دکھا رہا ہوں۔ کہیں وہ نشانات ضائع نہ ہو جائیں۔''

وہ پھر چلے۔ فریدی زمین پر روشنی ڈالتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ کہیں کہیں وہ سعید بابر سے کترا کر چلنے کو کہتا۔ کھڑکی کے سامنے وہ رک گئے۔

''یہ نشانات.....!'' فریدی نے ایک جگہ روشنی ڈالی۔

یہاں زمین نرم اور نم آلود تھی اس لئے نشانات کافی گہرے تھے۔ سعید بابر جھک کر دیکھنے لگا۔ لیکن شاید اُس کی سمجھ میں نہ آسکا تھا۔ وہ سیدھا کھڑا ہو کر بے دلی سے بولا۔ ''جی ہاں..... یہ نشانات.....!''

''شاید آپ نے غور سے نہیں دیکھا۔'' فریدی مسکرایا۔ ''ورنہ آپ کے چہرے پر حیرت کے آثار ضرور ہوتے۔''

''یہ حقیقت ہے کہ میں کچھ نہیں سمجھ سکا۔''

''یہ نشانات دور تک ہیں اور ان کی ترتیب بتاتی ہے کہ یہ کسی ایسے جانور کے پیروں کے نشانات ہیں جو صرف دو پیروں سے چلتا ہے۔''

''گوریلا.....!'' سعید بابر بڑبڑایا۔

''نہیں گوریلے کے پیر سپاٹ ہوتے ہیں۔ تلوؤں میں اتنی گہرائی نہیں ہوتی ..... یہ دیکھئے۔'' فریدی ایک تنکا اٹھا کر نشان کے مختلف حصوں کی طرف اشارہ کرنے لگا۔

''یہ انگلیاں[1]..... یہ انگلیوں کے[2] نیچے کا ابھار..... اور یہ گول[3] نشان..... جو ایڑی ہی کا ہوسکتا ہے۔ ایڑی اور انگلیوں کے نیچے کے اُبھار کا فاصلہ دیکھئے۔ تلوے کتنے گہرے ہیں۔ گوریلے کے تلووں میں گہرائی نہیں ہوتی۔ یہ کسی آدمی کا پیر ہو ہی نہیں سکتا۔ مختلف قسم کے جانوروں کے متعلق ''میری معلومات کم نہیں ہیں۔ مگر یہ پیر..... یقیناً میری معلومات کے دائرے سے باہر ہے۔''

''پھر یہ کیا ہے۔'' سعید بابر کی آواز حلق میں پھنسنے لگی تھی۔

''خدا بہتر جانتا ہے.....!'' فریدی سیدھا کھڑا ہوتا ہوا بولا۔ ''میں اپنے فوٹو گرافروں کو بلانا چاہتا ہوں..... آپ کا فون استعمال کروں گا۔''

''اوہ..... ضرور..... ضرور.....!''

''فریدی نے دوبارہ عمارت میں داخل ہوکر اپنے محکمے کے فوٹو گرافر کو فون کیا اور وہ دونوں ڈرائنگ روم میں آبیٹھے۔''

سعید بابر کا چہرہ زرد تھا اور ہونٹ خشک ہوگئے تھے۔ فریدی نے ایک بار پھر اُسے غور سے دیکھا اور باہر پھیلے ہوئے اندھیرے میں گھورنے لگا۔ پھر اُس نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

''جتنی جلد ہوسکے آپ یہاں سے چلے جایئے۔''

سعید بابر نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری اور تھوڑی دیر خاموش رہ کر بولا۔

''کرنل صاحب میرا بھائی اگر ایڑیاں رگڑ کر مرگیا۔ میں اُسے تین ہزار روپے بھجواتا رہا اور

وہ فٹ پاتھ پر گھسٹ گھسٹ کر بھیک مانگتا رہا۔ خواہ میری جان چلی جائے میں اس آدمی کو سزا دیئے بغیر نہیں جاؤں گا، جو اس حرکت کا ذمہ دار ہے۔ آپ خود سوچئے۔ اگر آپ کا کوئی بھائی.....!''

''آپ نے الائیڈ بنک میں تحقیق کی تھی۔''

''جی ہاں..... ہر ماہ تین ہزار کا ڈرافٹ رشید بابر کے اکاؤنٹ میں جمع ہوتا رہا تھا اور رشید بابر کے چیک پر ادائیگی ہوتی رہی تھی۔ میرے یہاں پہنچنے سے تین دن قبل آخری رقم پچاس ہزار نکالی گئی اور اسی دن شام کو میرے بھائی کی لاش ایک فٹ پاتھ پر ملی۔ میرے خدا..... کتنی زبردست ٹریجڈی ہے۔''

''پہلے ڈرافٹ پر کس نے تصدیق کی تھی کہ یہی رشید بابر ہے۔'' فریدی نے سوال کیا۔

''میجر داراب نے۔''

''یہ کون ہے۔''

''داراب اینڈ کمپنی کا پروپرائٹر..... اس کی فرم ہم سے لین دین رکھتی ہے۔ میں نے اُسے لکھ دیا تھا کہ وہ اس ڈرافٹ کی تصدیق کر کے رشید بابر کا اکاؤنٹ کھلوا دے۔''

''آپ اس سلسلے میں اس سے ضرور ملے ہوں گے۔ قدرتی بات ہے۔''

''جی ہاں..... میں اُس سے بھی پوچھ گچھ کر چکا ہوں۔''

''وہ کیا کہتا ہے۔''

''اُسے کچھ یاد نہیں۔ بات پانچ سال پرانی ہے۔ میرے یاد دلانے پر اُس نے یہ تو تسلیم کر لیا کہ اُس نے میرے لکھنے پر کسی کے ڈرافٹ کی تصدیق کی تھی۔ جب اسے اس کا نام بھی یاد نہیں تو پھر صورت شکل یاد رکھنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔''

''داراب سے آپ پہلی بار کب ملے تھے۔''

''بس ابھی حال ہی میں۔ البتہ کاروباری تعلقات شاید پندرہ سال پرانے ہیں۔''

''یعنی اس ڈرافٹ کی تصدیق سے پہلے اُس نے آپ کو نہیں دیکھا تھا۔''

''جی نہیں..... میں نے عرض کیا نا کہ ابھی حال ہی میں ہم دونوں ایک دوسرے کے صورت آشنا ہوئے ہیں۔''

''تب تو وہ اس واقعہ کو بھلا دینے میں حق بجانب ہے۔'' فریدی نے کہا۔

''کیوں.....؟ میں نہیں سمجھا۔''

''اگر وہ آپ کو پہلے دیکھ چکا ہوتا تو رشید بابر اُسے آج بھی یاد ہوتا۔ محض اتنی قریبی مشابہت کی بناء پر حیرت انگیز چیزیں ہمیشہ یاد رہتی ہیں۔ کیوں..... مثلاً یہ آپ کی سیکریٹری والا قصہ مجھے یاد رہے گا۔''

''اور شاید میں اُسے قبر میں یاد کر کے متحیر ہوتا رہوں۔'' سعید بابر نے تلخ لہجے میں کہا۔

''یہ لڑکی لسلی براؤن کب سے آپ کے پاس ہے۔''

''تقریباً تین سال سے۔''

''آپ کو اچھی طرح یاد ہے۔'' فریدی نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''جی ہاں..... مجھے اچھی طرح یاد ہے۔''

''تو پھر نیروبی سے آئی ہوئی اطلاعات غلط ہوں گی۔'' فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

''کیا مطلب.....!'' سعید بابر بیساختہ چونک پڑا۔

''میں نے آج ہی بذریعہ وائرلیس ٹیلی گرافی یہ معلومات بہم پہنچائی ہیں کہ آپ کی فرم سے تعلق رکھنے والا ایک فرد بھی لسلی براؤن نامی کسی لڑکی کو نہیں جانتا۔''

''اوہ.....!'' سعید بابر ہنسنے لگا۔ فریدی استفہامیہ انداز میں اس کی طرف دیکھتا رہا۔

''آپ نے یہی پوچھا تھا کہ وہ کب سے میرے پاس ہے۔''

''ہاں! یہی پوچھا تھا۔''

''یہ تو نہیں پوچھا تھا کہ وہ میری سیکریٹری کب سے ہے۔ اگر آپ یہ پوچھتے تو میں عرض کرتا کہ وہ صرف کاغذات پر میری سیکریٹری ہے اور کاغذات پر بھی اُس وقت آئی جب ہم پاسپورٹ بنوانے لگے تھے۔ ظاہر ہے کہ میرے اور اس کے علاوہ کسی کو اس کا علم نہیں ہوسکتا۔ سچ پوچھئے تو یہ سفر محض اسی کے اصرار پر ہوا تھا، مگر اب.....''

سعید بابر ایک طویل سانس لے کر بولا۔ ''اب میں نے اُس کھو دیا ہے۔''

''محبوبہ.....!'' فریدی مسکرایا۔

جواب میں سعید بابر نے پھر ایک ٹھنڈی سانس لی اور خاموش ہو گیا۔

عدنان اپنے گھر میں ایک طرح سے قید ہی تھا۔ وہ تنویر کی عدم موجودگی میں بھی گھر سے قدم نہیں نکال سکتا تھا۔ اگر وہ ایسا کرتا بھی تو اُسے اپنی اس ناعاقبت اندیشی پر زندگی بھر پشیمانی رہتی کیونکہ یہاں تنویر کی حکومت تھی۔ اگر وہ گھر سے باہر جانے پر زور دیتا تو ملازمین اس کی بے عزتی تک کر بیٹھتے۔

وہ اپنی ماں کی سخت گیریوں سے تنگ آ گیا تھا۔ مگر قہر درویش بر جاں درویش، اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ اس کے خلاف آواز اٹھا سکتا۔ اُس کی دانست میں اس کی ماں کریک تھی۔ مگر وہ اپنی ماں ہی کا بیٹا تھا۔ وہ زیادہ تر ایسی ہی حرکتیں کرتا جو تنویر کو ناپسند تھیں۔

آج صبح ہی تنویر کہیں گئی ہوئی تھی۔ دو باڈی گارڈ اس کے ساتھ تھے۔ عدنان کے باڈی گارڈ گھر ہی پر موجود تھے۔ اس نے انہیں طلب کیا۔

''تم دونوں نے اپنی زندگی میں کبھی کوئی بڑا کام بھی کیا ہے۔'' عدنان نے بڑی حقارت سے پوچھا۔

وہ دونوں خاموش رہے۔

''کیا تم بہرے ہو۔'' عدنان گرجا۔

''نہیں جناب! ہم آپ کا سوال ہی نہیں سمجھ سکے۔''

''تم بڑا کام نہیں سمجھتے..... کیوں؟''

''سمجھتے تو ہیں..... مگر سوال کا مقصد سمجھے بغیر جواب کیسے دیا جا سکتا ہے۔''

''آج تمہیں ایک بڑا کام انجام دینا ہے۔''

''فرمائیے۔''

''اُس کمرے کا تالا توڑیں گے جس میں مادام تنویر کے علاوہ اور کوئی نہیں جاتا ہے۔''

''ہم سے یہ نہیں ہو سکے گا جناب۔''

''کیا تم میرا حکم ماننے سے انکار کر رہے ہو۔''

''جہاں مادام تنویر کی کوئی بات آپڑے وہاں ہم یقیناً انکار کر دیں گے۔''

''میں تمہیں گولی ماردوں گا۔'' عدنان گرجا۔

''گولی مار دیجئے..... مگر یہ بڑا کام ہم سے نہیں ہو سکے گا۔''

عدنان خاموش ہو گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد مسکرا کر نرم لہجے میں بولا۔ ''مادام تنویر کو اس کا علم نہیں ہونے پائے گا۔ تم آخر اتنا ڈرتے کیوں ہو، تم میرے باڈی گارڈ ہو۔ تمہارے تعلق براہِ راست مجھ سے ہے۔ تمہارے افعال کے لئے میں جوابدہ ہوں۔''

''ہم مجبور ہیں جناب۔''

وہ دونوں منہ لٹکائے ہوئے چلے گئے۔ عدنان کچھ دیر تک خاموش بیٹھا رہا۔ پھر اُٹھ کر تنویر کے نجی آفس کی طرف چلا گیا۔ یہاں تین لڑکیاں کلرک تھیں، جو تنویر کے نجی اخراجات کی دیکھ بھال کیا کرتی تھیں۔ عدنان نے ان میں سے ایک کو الگ بلایا، یہ لڑکی ابھی حال ہی میں آئی تھی اور شاید اُسے اس عمارت کے مکینوں کے متعلق کچھ نہیں معلوم تھا، تنویر کو بھی اُس نے ایک آدھ بار دیکھا تھا۔

''تم مجھے جانتی ہو۔ میں عدنان ہوں۔'' عدنان نے اُس سے کہا۔

''جی ہاں.....!''

''میرا ایک کام کر دو گی۔''

''فرمایئے۔''

''اگر تم میری مدد کرو گی تو ہم ہمیشہ کے لئے گہرے دوست بن جائیں گے۔''

''ہاں..... ہاں..... بتایئے۔'' لڑکی نے کہا۔ عدنان عورتوں کے لئے پُر کشش تھا۔

''میری ماں لیمو بہت پسند کرتی ہے، مگر مجھے نہیں کھانے دیتی۔ میں اس کے لیمو چرانا چاہتا ہوں۔''

لڑکی ہنسنے لگی اور عدنان بولا۔ ''میں مذاق نہیں کر رہا ہوں۔ ایک کمرے میں لیموؤں کا اسٹاک رہتا ہے۔ میں تمہارے لئے بھی نکال لاؤں گا۔ بس تم راہداری کے سرے پر کھڑی

دیکھتی رہنا کہ کوئی اُدھر آ تو نہیں رہا ہے۔"

"چلئے.....!" لڑکی پھر ہنس پڑی۔ وہ دونوں اُس راہداری میں آئے جس کے دوسرے سرے پر اُس پراسرار کمرے کا دروازہ تھا۔ لڑکی راہداری کے اسی سرے پر رک گئی۔

عدنان نے جیب سے ایک مڑا ہوا تار نکالا اور دروازے میں پڑے ہوئے قفل پر ہاتھ صاف کرنے لگا۔ قفل کھلنے میں دیر نہیں لگی۔ اُس نے دروازے میں تھوڑا سا درزہ کیا۔ کمرے میں گہری تاریکی تھی۔ اندر سے ایک عجیب قسم کی بدبو کا بھپکا آیا لیکن عدنان جو تنویر کا بیٹا تھا دروازہ کھول کر دھڑ دھڑاتا ہوا اندر گھس گیا۔ دوسرے ہی لمحے میں وہ راہداری میں تھا۔ اُس کے حلق سے ایک عجیب سی چیخ نکلی کسی نے اُسے اٹھا کر کمرے سے باہر پھینک دیا تھا۔ لڑکی تو یہ واقعہ دیکھتے ہی سر پر پیر رکھ کر بھاگ گئی۔ عدنان کے گھٹنوں اور سر میں کافی چوٹیں آئیں۔

دوسری طرف اُس کے باڈی گارڈ چیخ سن کر دوڑ پڑے تھے۔ سامنے والے کمرے کا دروازہ بند تھا لیکن قفل انہیں راہداری کے فرش پر پڑا دکھائی دیا۔ انہوں نے خوفزدہ نظروں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور کانپتے ہوئے ہاتھوں سے عدنان کو اٹھانے لگے۔ وہ اسے سہارا دیتے ہوئے راہداری سے نکال لائے۔

یہ اتفاق ہی تھا کہ ٹھیک اُسی وقت تنویر بھی آ پہنچی۔ عدنان کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ اُس نے باڈی گارڈوں سے اس کے متعلق پوچھا۔ پہلے تو وہ ہچکچاتے رہے، لیکن پھر انہیں بتانا ہی پڑا کہ عدنان نے اُس کمرے کا قفل کھول لیا تھا۔

تنویر بے تحاشہ دوڑتی ہوئی راہداری میں چلی گئی۔ عدنان ایک کرسی میں پڑا ہانپتا رہا۔

"میں تم دونوں کو جان سے ماردوں گا..... سمجھے!" وہ انہیں گھونسہ دکھا کر بولا۔

"ہم کیا کرتے جناب۔"

"شٹ اپ.....!"

دو چار منٹ بعد تنویر واپس آ گئی، لیکن اُس کا موڈ بہت خراب معلوم ہو رہا تھا اور اس کے ہاتھ میں چمڑے کا چابک تھا۔

"عدنان! کھڑے ہو جاؤ۔" اُس نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

عدنان چپ چاپ کھڑا ہو گیا۔ چاروں باڈی گارڈ وہیں کھڑے تھے۔

''تم لوگ جاؤ۔'' عدنان نے اُن سے کہا۔

''نہیں.....وہ یہیں ٹھہریں گے۔'' تنویر نے سرد لہجے میں کہا۔ ''تم اپنے ہاتھ اوپر اٹھا لو۔''

عدنان نے ہاتھ بھی اٹھا دیئے۔ تنویر کا چابک والا ہاتھ حرکت میں آ گیا۔

''شائیں .. شائیں۔'' عدنان کے پشت پر چابک پڑ رہے تھے اور وہ ہونٹ بھینچے کھڑا تھا۔

''میں گن رہا ہوں۔'' عدنان نے تلخ لہجے میں کہا۔

''گنتے رہو۔'' تنویر کا ہاتھ تیزی سے چلنے لگا۔

''یہ پتھر پر نہیں..... میرے جسم پر پڑ رہے ہیں مادام تنویر.....مگر میرے سینے میں بھی پتھر کا دل ہے۔''

''تمہاری دھمکیاں مجھے اور زیادہ سنگدل بنا دیں گی۔'' تنویر بولی۔ لیکن اس کا ہاتھ چلتا رہا۔

کسی میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ اُسے روک دیتا۔ باڈی گارڈ کھڑے کانپتے رہے۔

''میں بس نہیں کہوں گا..... مادام تنویر۔'' عدنان نے کہا۔ ''اور نہ رحم کی درخواست کروں گا۔''

تنویر کا ہاتھ رک گیا۔ چابک فرش پر ڈال کر وہ کرسی میں گر گئی۔ اس کی آنکھیں بڑی خونخوار نظر آ رہی تھیں۔ اچانک عدنان نے چابک اٹھایا اور چاروں باڈی گارڈوں پر ٹوٹ پڑا۔

''اُلو کے پٹھو..... میں نے تم سے کہا تھا کہ یہاں سے چلے جاؤ۔''

باڈی گارڈ ایک دوسرے پر گرتے پڑتے بھاگ نکلے۔

میجر داراب

حمید کے لئے یہ گتھی عجیب تھی۔ مگر اُسے اس گتھی میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ جس الجھاوے میں کسی عورت کو بھی دخل ہوتا تھا، وہ کم از کم حمید کی ذہنی جمناسٹک سے بچا ہی رہتا تھا۔ کیونکہ حمید پھر حمید ٹھہرا..... ظاہر ہے کہ عورت اُس کے حصے میں آئی اور گتھی فریدی کے حصے میں۔ یہ

ثابت کرنا فریدی کا کام تھا کہ وہ لڑکی حقیقتاً لسلی براؤن تھا یا کوئی اور۔ حمید کے لئے تو وہ صرف لڑکی تھی۔ اگر اس کا نام لسلی براؤن کی بجائے کیوی بوٹ پالش براؤن ہوتا تب بھی وہ اس میں اتنی ہی دلچسپی لیتا۔

وہ سعید بابر کی کوٹھی کے چکر لگانے لگا۔ دن میں کئی کئی بار کوئی نیا سوال تیار کر کے جا پہنچتا اور سعید بابر اس بات پر بے تحاشہ خوشی کا اظہار کرتا کہ محکمہ سراغ رسانی کے دو بہترین دماغ اُس کے معاملے میں اتنی دلچسپی لے رہے ہیں۔

آج اچانک اس کی ملاقات اس لڑکی سے ہوگئی جسے سعید بابر کڑی نگرانی میں رکھتا تھا اور اُسے باہر نہیں نکلنے دیا جاتا تھا۔ وہ حمید کو برآمدے ہی میں ملی اور اُس کے سر پر دو نوکر مسلط تھے۔ سعید بابر گھر میں موجود نہیں تھا۔

لڑکی نے اٹھ کر اس کا استقبال کیا اور ایک تلخ سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ ''وہ شریف آدمی گھر پر موجود نہیں ہے۔''

''اوہ.....اچھا.....!''

''لیکن ٹھہریئے.....میں آپ سے گفتگو کرنا چاہتی ہوں۔''

''اوہ.....ضرور.....!'' حمید وہیں ایک کرسی پر بیٹھتا ہوا بولا۔

''مجھے یہ سزا کیوں دی گئی ہے۔ کیا آپ بتا سکیں گے۔''

''سزا تو تم نے آج کل ہم لوگوں کو دے رکھی ہے۔'' حمید مسکرا کر بولا۔

''کیا آپ لوگ نیروبی سے براہِ راست نہیں معلوم کر سکتے۔ میں آپ کو اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کے پتے دے سکتی ہوں۔''

''کیا وہ لوگ اس کی بھی تصدیق کر سکیں گے کہ تم سعید بابر کی سیکریٹری ہو۔''

لڑکی نے کوئی جواب نہ دیا۔ سر جھکائے بیٹھی رہی۔ اُس کے چہرے کی رنگت بڑی تیزی سے بدل رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے سر اٹھایا۔ اُس کی آنکھیں غمگین تھیں اور چہرے پر پہلے سے زیادہ نرماہٹ تھی۔ اُس نے آہستہ سے کہا۔ ''نہیں اس کی تصدیق نہیں کر سکیں گے۔''

''کیوں...؟''

''اس کا جواب وہی ذلیل کتا دے سکتا ہے۔ لیکن اب تو وہ مجھے لسلی براؤن ہی تسلیم

کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ یہ مرد بڑے کتے ہوتے ہیں۔ کبھی تمہارے لئے ٹھنڈی سانس بھریں گے .... روئیں گے۔ گڑگڑائیں گے اور کبھی اس طرح منہ پھیر لیں گے جیسے ..... میں کیا کہوں..... سعید بابر اور میں گہرے دوست تھے۔ ایک دوسرے کو بے حد چاہتے تھے لیکن میں اُس سے چھپ کر ملتی تھی۔ کیونکہ افریقہ کے انگریز بہت متعصب ہیں۔ وہ کالوں سے نفرت کرتے ہیں حالانکہ سعید بابر بہتیرے انگریزوں سے بھی زیادہ حسین ہے مگر اس کا تعلق کالی نسل سے ہے۔ اور اب میں کہتی ہوں کہ افریقہ کے انگریز اپنے تعصب میں حق بجانب ہیں۔ سعید بابر مجھے یہاں اپنی سیکریری بنا کر لایا تھا اور اب یہاں آ کر ایک نئی مصیبت میں پھنسا دیا۔ مقصد میں نہیں جانتی کہ کیا ہوسکتا ہے۔ یہ ہمارا ایک تفریحی سفر تھا۔ ویسے وہ اپنے کسی بھائی سے بھی ملنا چاہتا تھا۔"

"سعید کے آدمیوں کو تو اس کا علم ہوگا کہ تم اس کی سیکریٹری کی حیثیت سے سفر کرنے والی ہو۔"

"کوئی نہیں جانتا۔ کسی کو بھی اس کا علم نہیں۔ میرے عزیز اور دوست یہی سمجھتے ہیں کہ میرا سفر مومباسہ ہی تک محدود ہوگا۔ میں نے اُن سے یہی کہا تھا کہ میں تین ماہ مومباسہ میں قیام کروں گی۔"

"یہی وجہ ہے کہ سعید بابر.....!" حمید جملہ پورا کرنے سے پہلے ہی خاموش ہوگیا۔

"ہاں! ہاں..... کہئے..... سچی بات ہر حال میں کہہ دینی چاہئے۔ آپکی زبان رک کیوں گئی۔ آپ یہی کہنا چاہتے ہیں نا کہ اسی لئے سعید اور زیادہ صفائی سے جھوٹ بول رہا ہے۔"

"خدا جانے..... میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

"ہاں..... آپ مجھے اس قید سے رہائی نہیں دلا سکتے۔ میں اچھی خاصی قیدی ہوں۔ ناظم الامور کے دفتر سے سعید کو ہدایت ملی ہے کہ انکوائری کے دوران میں وہ مجھے اپنی نگرانی میں رکھے۔ مگر نگرانی کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ میں کہیں قید کردی جاؤں۔ سعید کے علاوہ میں اور کسی کو یہاں نہیں جانتی۔ مگر تازہ ہوا اور کھلے آسمان پر تو ہر آدمی کا حق ہوتا ہے۔ ان دیواروں میں میرا دم گھٹ رہا ہے۔ میں مر جاؤں گی۔"

''آپ میرے ساتھ باہر چل سکتی ہیں۔''

''سچ.....!'' لڑکی پُرمسرت انداز میں چیخی۔

''جی ہاں.....!''

''مگر یہ.....!'' لڑکی نے نوکروں کی طرف دیکھا۔

''میں انہیں اپنے ساتھ لے جارہا ہوں۔'' حمید نے نوکروں سے کہا۔

''صاحب کی اجازت نہیں ہے۔'' ایک نوکر نے بڑے ادب سے جواب دیا۔

''ان سے کہہ دینا کپتان صاحب اپنے ساتھ لے گئے ہیں۔''

''اُن کا انتظار کرلیجئے تو بہتر ہے۔''

حمید نے بات آگے نہیں بڑھائی۔ وہ سمجھتا تھا کہ لڑکی اس طرح باہر نہیں جا سکے گی۔ لہٰذا اُس نے یہی مناسب سمجھا کہ سعید کا انتظار ہی کرے۔

آج کل ہائی سرکل نائٹ کلب میں رقص کے پروگرام ہورہے تھے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر یہ لڑکی اس کے ساتھ ہوئی تو کلب میں اس کی خاصی دھوم رہے گی۔

اُسے تقریباً آدھے گھنٹے تک سعید بابر کا انتظار کرنا پڑا پھر جیسے ہی وہ آیا حمید اسے اپنے ساتھ لیتا ہوا اندر چلا گیا۔ لڑکی برآمدے ہی میں رہ گئی۔

''میں آپ کا بہت شکر گذار ہوں کپتان صاحب لیکن میری زندگی خطرے میں ہے۔''

''مجھے افسوس ہے کہ میں ابھی تک آپ کے لئے کچھ نہیں کرسکا۔'' حمید بولا۔

''میں ابھی تک دراصل اپنے ہی ایک معاملے میں ادھر کے چکر لگاتا رہا ہوں۔''

''میں نہیں سمجھا۔''

''بھئی بات یہ ہے کہ ویزا انکوائری سیکشن میرے ہی چارج میں ہے اور میں آج آپ پر یہ حقیقت واضح کررہا ہوں کہ دونوں لڑکیوں کے انکوائری فارم ریکارڈ روم میں موجود ہیں۔ دونوں ہی لسلی براؤن اور مسٹر سعید بابر کی سیکریٹری۔''

''میرے خدا.....!'' سعید بابر منہ کھول کر رک گیا۔

''جی ہاں..... یہ متعلقہ کلرک کی غلطی ہے کہ اس نے اس پر دھیان نہیں دیا۔ آپ خود

سوچ سکتے ہیں کہ سیکشن کی کتنی بدنامی ہوگی۔''

''یقیناً.....یقیناً.....!''

''بس یہی چکر ہے۔ میرا خیال ہے کہ آج سے میں اس لڑکی کو چکر دینا شروع کردوں اس طرح کام نہیں بنے گا۔ لہٰذا میں اسے اپنے ساتھ لے جارہا ہوں۔''

سعید بابر کسی سوچ میں پڑ گیا۔ چند لمحے خاموش رہا، پھر تفکر آمیز لہجے میں بولا۔ ''ناظم الامور کی دفتر سے.....!''

''مجھے معلوم ہے کہ وہ آپ کی نگرانی میں ہے، مگر آپ یہ نہ بھولئے کہ یہاں کے محکمہ سراغ رسانی کے ساتھ بھی فراڈ کیا گیا ہے۔''

''آپ جو مناسب سمجھئے کیجئے.....!'' اس نے مردہ سی آواز میں کہا۔ ''لیکن مجھے میری لسلی براؤن ضرور ملنی چاہئے۔، ورنہ میں اس لڑکی کو گولی ماردوں گا۔ بھائی سے تو ہاتھ دھو چکا.... پتہ نہیں کیا چکر ہے۔''

''مجرم بہت جلد سزا کو پہنچیں گے۔'' حمید نے اُس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر محبت آمیز انداز میں کہا۔ ''جس کام میں کرنل فریدی کا ہاتھ پڑ جائے اس کا بیڑا پار ہی سمجھئے۔''

جب حمید لڑکی کو ساتھ لے کر چلنے لگا تو سعید بابر نے اردو میں کہا۔ ''بہت محتاط رہئے گا کپتان صاحب۔''

''مجھ سے زیادہ محتاط آج تک کوئی پیدا نہیں ہوا۔'' حمید ہاتھ ہلا کر بولا اور وہ دونوں کار میں بیٹھ گئے۔

''وہ آپ کا کہنا مان گیا۔'' لڑکی نے کہا۔

''میں ایک ذمہ دار آفیسر ہوں۔ اس لئے اس وقت تمہیں یہاں کی ایک بہترین تفریح گاہ میں لے جاؤں گا۔''

''اوہ.....آپ کا بہت بہت شکریہ۔''

''تو سعید بابر نے تمہیں دھوکا دیا ہے۔'' حمید نے پوچھا۔

''یقیناً.....مگر اس کا مقصد میں ابھی تک نہیں سمجھ سکی۔ ہم دونوں ابھی تک محض دوست

رہے ہیں۔ میں بھی اُسے صرف اسی حد تک پسند کرتی ہوں۔ ہماری شادی کا بھی کوئی امکان نہیں رہا ہے۔ پھر اس کی اس حرکت کا کیا مقصد ہوسکتا ہے۔"

"تم اس کے اُس بھائی کے متعلق کیا جانتی ہو جس سے ملنے کے لئے وہ یہاں آیا تھا۔"

"کچھ بھی نہیں جانتی۔ اس نے بس یونہی روا روی میں اس کا تذکرہ کیا تھا۔ وہ بھی محض اس لئے کہ وہ اس سے بہت مشابہ تھا۔"

"تم دونوں نے ساتھ ہی اپنی آمد یہاں درج کرائی تھی۔"

"ہاں! ہم دونوں ساتھ گئے تھے۔"

اسکے بعد حمید نے کوئی سوال نہیں کیا۔ وہ اس کے قریب ہی اگلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اُسکے جسم سے اٹھنے والی لیونڈر کی بھینی بھینی خوشبو حمید کے ذہن پر بُری طرح مسلط ہوگئی تھی۔ وہ بیداری میں خواب دیکھنے لگا تھا۔ ویسے اُسے اس کا ہوش تھا کہ کہیں ایکسیڈنٹ نہ ہو جائے۔

کار ہائی سرکل نائٹ کلب میں رکی، وہ دونوں ہال میں جانے سے پہلے منیجر کے کمرے میں گھس گئے۔ منیجر کمرے ہی میں موجود تھا۔ حمید کو دیکھ کر بڑے ادب سے کھڑا ہوگیا۔

"کرنل صاحب بھی تشریف رکھتے ہیں۔" اُس نے کہا اور لڑکی کو گھورنے لگا۔

"کہاں تشریف رکھتے ہیں۔" حمید بوکھلا گیا۔

"ہال میں..... ہوسکتا ہے انہیں علم ہوگیا ہو کہ آپ ایک سروِ گلزار شباب کے ساتھ یہاں قدم رنجہ فرمائیں گے۔"

"شٹ اپ.....!" حمید جھنجھلا گیا۔

"ارے نہیں کپتان صاحب"

دل بہت بلبلِ شیدا کا ہے نازک گلچیں
پھول گلزار میں یوں توڑ کہ آواز نہ ہو

"فرنیچر ٹوٹنے کی آواز پسند کرو گے۔" حمید آگے بڑھتا ہوا بولا۔

"اررر..... دیکھئے..... بس دور ہی رہئے گا۔ بقول شاعر..... جی ہاں..... سراپا ناز آپ کے ساتھ ہے اور آپ مجھ سے دھول دھپا کرنے چلے ہیں۔"

حمید رک گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ فریدی یہاں کیوں آیا۔ بھلا فریدی کو کسی

نائٹ کلب سے کیا سروکار۔

"میں فی الحال یہیں بیٹھوں گا۔" حمید نے اس سے کہا۔ "جب فریدی صاحب چلے جائیں تو مجھے اطلاع دینا۔"

"گویا میں وہاں جا کر یہ دیکھتا رہوں کہ وہ کب تشریف لے گئے۔"

"ہاں.....!"

"کیا آپ مجھے کوئی گراپڑا آدمی سمجھتے ہیں۔" منیجر نے اکڑ کر انگریزی میں کہا۔

"اگر تم نے انگریزی میں اپنی قابلیت کا اظہار کیا تو تمہاری گردن مروڑ دوں گا۔"

"آپ مجھے دھمکا رہے ہیں۔"

"تم بیٹھ جاؤ۔" حمید نے لڑکی کی طرف مڑ کر کہا۔ مگر لڑکی غائب تھی۔ حمید دروازے کی طرف جھپٹا۔ مگر وہ برآمدے میں بھی نظر نہیں آئی۔ حمید ہال کی طرف دوڑا۔ ایک سرے سے دوسرے سرے تک چلا گیا۔ ریکریئشن ہال میں بھی دیکھا لیکن وہ کہیں نہ ملی۔ پھر اُسے اپنی حماقت کا احساس ہوا۔ اُسے حقیقتاً کمپاؤنڈ ہی کی طرف جانا چاہئے تھا۔ اگر لڑکی اسے جل دے کر نکل گئی تھی تو ہال میں جانے کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ حالانکہ اب یہ فضول ہی تھا لیکن پھر بھی اُس کے قدم کمپاؤنڈ کی طرف اٹھ گئے۔ وہ پھاٹک والی روش طے کر رہا تھا کہ کسی نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ حمید جھنجھلا کر پلٹا۔

"کیوں پریشان ہو۔" اُس نے فریدی کی آواز سنی۔

حمید خاموش ہی رہا۔ جواب کیا دیتا۔

"لڑکی کے غائب ہو جانے کا غم ہے۔" فریدی چڑھانے کے سے انداز میں بولا۔

"اوہ.....تو یہ آپ تھے۔" حمید چونک کر بولا۔

"بکواس مت کرو۔" فریدی بگڑ گیا۔ "تم اُسے لائے کیوں تھے؟"

"مجھے توقع تھی کہ میں اس سے کچھ معلوم کر سکوں گا۔"

"کیا معلوم کیا۔"

"یہی کہ کوئی خوبصورت لڑکی دیر تک نہیں ٹھہرتی۔"

''تم نے میری ساری اسکیم چوپٹ کردی۔'' فریدی نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

''پھر کوئی دوسری اسکیم بن جائے گی۔ مگر یہ تو فرمایئے کہ آپ کو اس کا علم کیسے ہوا۔''

''میں یہیں موجود تھا..... پھر مجھے کیسے علم نہ ہوتا۔''

''تو آپ نے اُسے نکل کیوں جانے دیا.....!''

''محض اس لئے کہ تم اپنا وقت نہ برباد کرو۔''

''میں سعید بابر کو کیا جواب دوں گا۔''

''اُسے جواب دینا تمہارے فرائض میں نہیں۔ تم اپنے روزنامچے میں نہایت اطمینان سے لکھ سکتے ہو کہ تم پوچھ گچھ کرنے کے لئے اُسے اپنے ساتھ آفس لارہے تھے، ایک جگہ کار روک کر تم کسی کام سے اترے جب کار کی طرف واپس ہوئے تو وہ غائب تھی۔''

''آخر آپ کیا کرنا چاہتے ہیں۔''

''یہاں میجر داراب موجود ہے۔ اس کے ساتھ دو لڑکیاں ہیں ان میں سے ایک کے ساتھ تم رقص کرو گے۔''

''میں شاید ناچنے ہی کے لئے پیدا ہوا ہوں۔'' حمید نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔ ''میں میجر داراب کو نہیں پہچانتا۔''

''میں بتاؤں گا۔'' فریدی اس کا ہاتھ پکڑ کر ہال کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

''مگر وہ لڑکی۔''

''اُسے جہنم میں جھونکو..... میجر داراب کے ساتھ دو لڑکیاں ہیں۔''

فریدی اُسے ہال کے صدر دروازے تک لایا۔

''وہ اُدھر..... بڑی پینٹنگ کے نیچے والی میز پر..... وہی میجر داراب ہے۔ اس کے قریب والی میز خالی ہے..... میں نے مخصوص کرائی ہے۔''

''کیا آپ کو علم تھا کہ میں یہاں آؤں گا۔''

''ہاں مجھے علم تھا اور یہ کوئی ایسی حیرت انگیز بات نہیں جس کے متعلق سوچنے میں تم اپنا وقت برباد کرو۔ آج صبح تم نے رمیش سے کہا تھا کہ تم لسلی براؤن کو یہاں رقص میں لانے کی

کوشش کرو گے.....بس اب جاؤ۔"

فریدی برآمدے سے کمپاؤنڈ میں اتر گیا۔حمید پر اب بھی اُسی لڑکی کی گمشدگی کی فکر سوار تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آخر وہ اسطرح اور اتنی جلدی غائب کہاں ہوگئی۔اب وہ پھر منیجر کے کمرے کی طرف جا رہا تھا۔منیجر نے اُسے دیکھ کر ایک ٹھنڈی سانس لی اور کرسی کی پشت سے ٹک گیا۔

حمید نے اس بار اُس سے کوئی بُرا برتاؤ نہیں کیا۔

"کیا تم نے اُسے کمرے سے نکلتے دیکھا تھا۔" حمید نے اس سے پوچھا۔

"پرواہ نہ کیجئے کپتان صاحب۔ یہ سنگدل ایسے ہی ہوتے ہیں۔"

دیکھیں محشر میں اُن سے کیا ٹھہرے
تھے وہی بت وہی خدا ٹھہرے

"میں شعر سننے کے موڈ میں نہیں ہوں۔ میری بات کا جواب دو۔"

"جی ہاں...میں نے اُسے باہر جاتے دیکھا تھا۔ایک لڑکی نے اشارے سے اُسے بلایا تھا۔"

"لڑکی نے.....!"

"جی ہاں.....آپ مطمئن رہئے۔وہ کوئی مرد نہیں تھا۔" منیجر معنی خیز انداز میں مسکرایا۔

حمید مزید کچھ کہے بغیر دروازے کی طرف مڑ گیا۔ اُس نے منیجر کے قہقہے کی آواز سنی۔ لیکن وہ اس وقت اس سے اُلجھنے کے موڈ میں نہیں تھا۔

وہ ہال میں آیا اور سیدھا اُس خالی میز کی طرف چلا گیا جو فریدی نے غالباً اسی کے لئے مخصوص کرائی تھی۔ میجر داراب خاموش بیٹھا تھا اور اس کے ساتھ ہی دو لڑکیاں آپس میں اونچی آواز میں گفتگو کر رہی تھیں۔ میجر داراب ایک دبلا پتلا آدمی معلوم ہوتا تھا۔گال پچکے ہوئے تھے اور آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی تھیں۔ سرد طبیعت آدمی معلوم ہوتا تھا۔ ظاہر ایسا ہو رہا تھا جیسے اُسے ان لڑکیوں سے کوئی دلچسپی نہ ہو۔ شاید وہ ان کی گفتگو بھی نہیں سن رہا تھا۔

حمید نے لڑکیوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے ایک طویل سانس لی اور سنکیوں کی طرح بڑبڑاتا ہوا چھت کی طرف دیکھنے لگا۔ دونوں لڑکیاں سفید فام اور قبول صورت تھیں۔ اچانک ایک ویٹر میجر داراب کی میز کے قریب آ کر نہایت ادب سے جھکا اور آہستہ آہستہ کچھ کہنے لگا۔لڑکیاں خاموش ہوگئیں۔حمید نے میجر داراب کو اٹھ کر جاتے دیکھا۔ وہ اُس دروازے سے

منیجر کی کمرے میں داخل ہو رہا تھا جو ہال میں کھلتا تھا ہو سکتا ہے کہ اُس کی کوئی ٹیلی فون کال رہی ہو۔

ابھی رقص شروع ہونے میں دیر تھی اور زیادہ تر لوگ ہال ہی میں تھے، کبھی کبھی ریکریئشن ہال کی طرف سے موسیقی کی ایک لہر آتی اور پھر سکوت طاری ہو جاتا۔ شاید آپریٹر مائیک ٹسٹ کر رہا تھا۔ حمید بہت مغموم نظر آ رہا تھا۔ لڑکیوں نے اُس کی طرف دیکھا اور پھر گفتگو میں مشغول ہو گئیں۔ اتنے میں وہی ویٹر آیا پھر ان کی میز کے قریب آ کر بولا۔ ''صاحب کسی ضروری کام سے باہر تشریف لے گئے ہیں۔ آپ کے لئے کہا ہے کہ آپ یہیں تشریف رکھیں گی۔''

''اوہ..... ٹھیک جاؤ۔'' ایک لڑکی بولی۔ پھر اُس نے دوسری کی طرف جھک کر آہستہ سے کچھ کہا اور دونوں بیساختہ ہنس پڑیں۔ حمید نے بھی قہقہہ لگایا اور جیسے ہی لڑکیوں نے اُس کی طرف دیکھا اُس نے گویا اپنے قہقہے میں بریک سا لگا دیا اور کچھ پشیمان سا بھی نظر آنے لگا۔ لڑکیاں چند لمحے اُسے غصیلی نظروں سے دیکھتی رہیں، پھر انہوں نے دوسری طرف منہ پھیر لیا۔

حمید بوکھلائے ہوئے انداز میں اٹھا اور ان کی میز کے قریب جا کر بولا۔ ''میں معافی چاہتا ہوں۔''

لڑکیوں نے پھر اُسے گھور کر دیکھا اور حمید ہکلایا۔ ''ایک بیوقوف آدمی سمجھ کر معاف کر دیجئے۔ میں دوسروں کو ہنستے دیکھ کر خود بھی ہنسنے لگتا ہوں۔ جو لوگ مجھ سے واقف ہیں فوراً معاف کر دیتے ہیں۔''

''تم ایسے ہو..... اسی لئے اپنی میز پر تنہا نظر آ رہے ہو۔'' ایک لڑکی نے کہا۔

''نہیں اس کی وجہ تو دوسری ہے۔'' حمید ایک کرسی کھینچ کر بیٹھتا ہوا بولا۔

ایک لڑکی کی آنکھوں میں احتجاج تھا لیکن دوسری بدستور مسکراتی رہی بلکہ حمید نے بھی یہ دیکھا کہ اُس نے اس لڑکی کو آنکھ ماری تھی۔

''تم شاید شیری پیتی ہو۔'' اس نے دوسری لڑکی سے کہا۔ ایک لمحہ خاموشی رہی پھر بولی۔ ''میں پورٹ پیتی ہوں۔''

حمید نے ویٹر کو اشارے سے بلا کر پورٹ اور شیری کے لئے کہا اور اپنے لئے کافی منگوا ہی رہا تھا کہ ایک لڑکی بولی۔ ''واہ..... تم کافی پیو گے۔ نہیں یہ غلط ہے۔ ویٹر! لارج وہسکی اور

سوڈا یا جو یہ پسند کریں۔"

"لارج وہسکی اور سوڈا۔" حمید شیخی میں آ کر بولا۔ اس نے سوچا ایک آدھ پیگ میں کیا بگڑے گا۔ انکار کی صورت میں ہوسکتا ہے کہ یہ لڑکیاں اُسے بالکل ہی چغد سمجھ کر دھتکار دیں۔ اگر فریدی نہ کہتا تب بھی اُسے کم از کم ایک ساتھی کی ضرورت یقیناً محسوس ہوتی۔

مگر جب دور شروع ہو جائے تو معاملہ ایک ہی آدھ پیگ تک محدود نہیں رہتا۔ لڑکیاں عادی معلوم ہوتی تھیں، مگر حمید اناڑی تھا۔ اس نے شاید زندگی میں دو ہی چار بار شراب پی تھی اور ہر موقع پر کھوپڑی سے باہر ہو گیا تھا۔ چنانچہ آج بھی یہی ہوا اور پھر کھوپڑی سے باہر ہونے کے بعد کہاں کی لڑکیاں اور کہاں کا رقص۔ حمید نے آگے پیچھے جھول کر کہا۔

"میں..... جھولا..... جھولوں گا.....!"

"پہلے بل ادا کر دو۔" ایک لڑکی بولی۔

حمید نے جھلا کر جیب سے پرس نکالا اور اُسے میز پر پٹختا ہوا بولا۔ "کیا غریب سمجھتی ہو مجھے..... میں..... لسل..... لسل..... لسلی براؤن ہوں..... ہاں۔"

لڑکی نے پرس سے کچھ نوٹ نکال کر ویٹر کی لائی ہوئی ٹرے میں ڈال دیئے اور پرس پھر حمید کی جیب میں ٹھونس دیا اور اس کے بعد وہ دونوں وہاں سے اٹھ ہی گئیں۔

"ہائیں..... میں..... بھی..... میں بھی۔" حمید اٹھتا ہوا بولا۔ مگر وہ اتنی دیر میں ہال سے نکل چکی تھیں۔ حمید نے قریب سے گذرنے والے ایک ویٹر کی گردن پکڑ لی۔

"جی صاحب۔" ویٹر بوکھلا گیا۔ یہاں کے سارے ویٹر حمید کو پہچانتے تھے۔

"منیجر کو بھیج دو..... میں شعر سننا چاہتا ہوں۔"

"اچھا صاحب.....!"

حمد نے اس کی گردن چھوڑتے ہوئے کہا۔ "اگر تم اُسے نہ لائے تو..... میں تمہیں جہنم میں پہنچا دوں گا۔"

شامت اعمال کو منیجر خود ہی کسی کام سے اُدھر آ نکلا تھا۔ اُس نے حمید کو ویٹر کی گردن پکڑتے دیکھا اور قریب قریب دوڑتا ہوا اُس کی میز کی طرف آیا۔

''یہ کیا کر رہے تھے آپ.....!'' وہ ہانپتا ہوا بولا۔

''ہائے.....تم آ گئے.....مری جان..... باٹھو..... باٹھو.....!''

''نہیں.....میرے پاس وقت نہیں ہے۔''

''تمہیں بیٹھنا پڑے گا۔'' حمید نے اسے جھنجھوڑ کر زبردستی بٹھا دیا۔

''ارے ارے..... یہ آپ کیا کر رہے ہیں..... ہائیں۔''

''مجھے اشعار سناؤ.....میری جان.....!'' حمید جھک کر اُسکی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

''میں اس وقت آپ سے بات نہیں کرنا چاہتا.....آپ نشے میں ہیں۔''

''تم کتے کے پلے ہو..... مجھے شعر سناؤ۔''

''آپ میری توہین کر رہے ہیں۔''

حمید نے میز پر جھک کر اُسے دونوں ہاتھوں سے دبوچ لیا اور منیجر اُٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کے آس پاس قہقہے ہی قہقہے تھے۔ ویسے چونکہ وہاں اونچے ہی طبقے کے لوگ آتے تھے، اس لئے ہڑبونگ صرف اسی میز تک محدود رہی۔

ابھی یہ دھینگا مشتی کسی فیصلہ کن منزل پر نہیں پہنچی تھی کہ میجر داراب آ گیا۔ یہ سیاہ سوٹ میں ملبوس تھا اور دبلا ہونے کی وجہ سے غیر معمولی طور پر دراز قد معلوم ہو رہا تھا۔ وہ چند لمحے انہیں حیرت سے دیکھتا رہا پھر آہستہ آہستہ آگے بڑھ کر میز کے قریب پہنچ گیا۔

''یہ میز میرے لئے مخصوص تھی۔'' اس نے سرد لہجے میں منیجر سے کہا۔

''اب آپ دیکھ رہے ہیں جناب میجر صاحب..... یہ نشے میں ہیں۔'' منیجر ہانپتا ہوا بولا۔ ''میں ان سے یہی کہنے آیا تھا کہ یہ میجر صاحب کی میز ہے۔''

''کون ہے۔'' میجر داراب نے حقارت سے پوچھا۔

''کیپٹن حمید.....!''

''یو شٹ اپ.....ہل ود یو.....!'' حمید نے منیجر کو جھنجھوڑ ڈالا۔

''کیپٹن پلیز.....میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ سیدھے کھڑے ہو جاؤ.....!'' داراب غرایا۔

''خاموش رہو، کیچوے.....ورنہ میں تمہیں یہیں دفن کردوں گا۔'' حمید تن کر کھڑا ہو گیا۔

''دیکھا میجر صاحب۔''منیجر اچھل کر ایک طرف ہٹتا ہوا بولا۔''دیکھا آپ نے.....ان حضرت نے کلب کو کباڑ خانہ بنا رکھا ہے۔ زبردست ٹھہرے.....اب آپ سے بھی بدتمیزی فرما رہے ہیں۔ خدا ان پولیس والوں سے سب کو محفوظ رکھے.....آمین.....بقول شاعر.....!''

حمید اور داراب ایک دوسرے کو خونخوار نظروں سے گھور رہے تھے۔

اچانک داراب بڑی پھرتی سے جھکا اور حمید کو اپنے بازوؤں میں جکڑ کر اوپر اٹھالیا۔ اس کی یہ حرکت معجزے سے کم نہیں تھی۔ وہ بہت دبلا تھا۔ اس کے چہرے پر ہر وقت مردنی سی چھائی رہتی تھی۔ گال پچکے ہوئے تھے اور آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی تھیں۔ وہ کسی زندہ آدمی کا چہرہ نہیں معلوم ہوتا تھا۔ پھر بھی اُس نے حمید جیسے قوی ہیکل آدمی کو اٹھا لیا تھا اور حمید اس کی گرفت میں اس طرح ہاتھ پیر مار رہا تھا جیسے کوئی ننھا سا بچہ کسی بڑے کی گود سے اترنے کی کوشش کر رہا تھا۔

سنسان سڑک

وہ اُسے اسی طرح اٹھائے ہوئے چلتا رہا۔ ہال قہقہوں سے گونج رہا تھا اور حمید کا نشہ..... وہ تو کبھی کا ہرن ہو چکا تھا۔

میجر داراب نے برآمدے میں پہنچ کر آہستہ سے اُسے اتار دیا۔

''اب تم گھر جا سکتے ہو.....!''اُس نے سرد لہجے میں کہا۔''اگر کھوپڑی پر کنٹرول نہیں رہتا تو پیتے کیوں ہو۔''

حمید کی مٹھیاں بھینچ گئیں لیکن قبل اس کے کہ وہ کوئی اقدام کرتا، میجر داراب ایڑیوں پر گھوما اور ہال میں چلا گیا۔ وہاں سبھی نشے کی ترنگ میں تھے اس لئے کسی نے بھی یہاں تک آنے کی زحمت نہیں گوارا کی تھی۔ بس اپنی جگہوں پر بیٹھے ہنستے رہ گئے تھے۔

حمید آہستہ آہستہ منیجر کے کمرے کی طرف چلنے لگا۔ اس کی حالت ابتر تھی۔ سارا سرور رخصت ہو گیا تھا۔ ایسی بے عزتی سے کبھی اس کا سابقہ نہیں پڑا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہ خبر پر لگا

کر سارے شہر میں اڑتی پھرے گی۔ ہوسکتا ہے کہ اخبارات بھی زہر اگلیں۔ انہیں تو بس پولیس افسروں کے خلاف کچھ لکھنے کا بہانہ مل جانا چاہئے۔

وہ منیجر کے کمرے میں داخل ہوا۔ کمرہ خالی تھا۔ وہ ایک آرام کرسی میں گر گیا۔ اُس کے چہرے پر پسینے کی بوندیں تھیں اور آنکھیں سرخ۔ سانسیں چڑھی ہوئی تھیں۔ وہ تقریباً ایک منٹ تک اسی طرح پڑا رہا تھا، پھر اٹھنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ منیجر کمرے میں داخل ہوا لیکن وہ دروازے ہی کے قریب رک گیا تھا۔

اچانک وہ شور مچانے والے انداز میں کہنے لگا۔ ''زیادتی آپ ہی نے کی تھی جناب! آج آپ نے میری بہت بے عزتی کی ہے۔ میں آپ کا بہت احترام کرتا ہوں۔ آپ مجھ پر ظلم کرتے ہیں۔''

حمید سیدھا بیٹھتا ہوا بولا۔ ''مجھے افسوس ہے۔''

منیجر ہکا بکا رہ گیا۔ اُسے حمید سے اس رویہ کی توقع نہیں تھی۔ شاید وہ سمجھا تھا کہ حمید میجر داراب کا غصہ اس پر اتارے گا۔

''دیکھئے نا کپتان صاحب۔'' وہ آگے بڑھ کر ناصحانہ انداز میں کہنے لگا۔ ''آپ ایک بہت بڑی پوزیشن کے مالک ہیں۔ آپ کو ہر وقت اس کا خیال رکھنا چاہئے آپ بعض اوقات عام آدمیوں کی سی حرکتیں کرنے لگتے ہیں۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ منیجر کہتا رہا۔ ''اب آپ خود سوچئے.....اس وقت یہ بات کہاں تک پھیلے گی۔''

''ہاں.....آں.....تم اپنا کام کرو۔'' حمید نے ہاتھ ہلا کر کہا۔ ''میں تھوڑی دیر تک بیٹھوں گا۔''

''آپ زندگی بھر یہیں بیٹھئے..... مجھے خوشی ہوگی۔ مگر آپ کی رسوائی مجھے بھی گراں گذرے گی۔ میں اتنی قدر کرتا ہوں آپ کی۔''

''اب یہ گراموفون بند کرو..... یا باہر چلے جاؤ۔'' حمید غرایا۔

منیجر چپ چاپ اپنی کرسی پر جا بیٹھا۔ اتنے میں فون کی گھنٹی بجی۔ منیجر نے ریسیور اٹھالیا۔ پھر حمید کی طرف بڑھ کر بولا۔ ''آپ کا فون ہے۔''

''ہیلو.....حمید اسپیکنگ.....!'' حمید نے ریسیور لے کر ماؤتھ پیس میں کہا۔

"اب مجھے اپنی شکل نہ دکھانا سمجھے۔" دوسری طرف سے فریدی کی غصیلی آواز آئی۔

"بہت بہتر.....!" حمید نے جھلا کر کہا اور ریسیور کو کریڈل پر پٹخ کر پھر اسی کرسی میں آ گرا۔

شراب کا اثر تو ابھی باقی ہی تھا۔ دماغ میں گرمی تھی۔ خون جوش کھا رہا تھا۔ اُسے فریدی پر غصہ آ گیا اور وہ سوچنے لگا کہ کل ہی اپنی پہلی فرصت میں استعفیٰ دے دے گا۔ مگر یہ رات کہاں بسر ہوگی.....اُس نے سوچا۔ کیوں نہ قاسم ہی کے گھر چلا جائے۔

یہ سوچ کر وہ باہر نکلا۔ اس وقت دوبارہ ہال میں واپس جانا ممکن نہیں تھا۔ بے خیالی میں وہ اس طرف چل پڑا جہاں کار کھڑی کی تھی۔ مگر کار وہاں موجود نہیں تھی۔ شاید فریدی اُسے لے گیا تھا۔ وہ کمپاؤنڈ سے باہر نکلا۔

تھوڑی دیر بعد وہ ایک دوا فروش کی دوکان سے قاسم کو فون کر رہا تھا۔

"ہیلو.....!" دوسری طرف سے ایک نسوانی آواز آئی۔

"میں حمید ہوں.....قاسم ہے گھر پر۔"

"میں سلیمہ ہوں.....کہئے حضرت خوب غائب ہوئے۔"

"بہت مشغول تھا۔ ذرا قاسم کو فون پر بلایئے۔"

"ٹھہریئے.....ایک منٹ.....!"

حمید انتظار کرتا رہا۔ تھوڑی دیر بعد آواز آئی۔ "واؤں.....واؤں..... ہالو.....واؤں..... واؤں.....میں خانا.....خا رہا ہوں..... ہالو.....!"

"قاسم.....!" حمید نے کہا۔ "میں رات تمہارے یہاں بسر کرنے آ رہا ہوں۔"

"ہائیں.....واؤں.....واؤں.....قیا مطالب.....!"

"بس یونہی.....گھر نہیں جانا چاہتا۔"

"ہاچھا.....آ جاؤ..... آ جاؤ..... واؤں..... واؤں..... آہا ضارور آ جاؤ.....تم سے ایک ضاروری بات کرنی ہائے.....واؤں.....واؤں۔"

حمید نے ریسیور رکھ دیا۔ باہر آ کر ایک ٹیکسی کی اور قاسم کی کوٹھی کی طرف روانہ ہو گیا۔ سردی بہت زیادہ تھی اور آج ہوا بھی بہت تیز تھی۔ شراب کا اثر ابھی زائل نہیں ہوا تھا۔

ٹھنڈی ہوا لگتے ہی حمید کی پلکیں بھاری ہونے لگیں۔ اُس نے پائپ میں تمباکو بھری، اور پشت گاہ سے ٹیک لگا کر ہلکے ہلکے کش لینے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آخر فریدی نے اسے میجر داراب کے پیچھے کیوں لگایا تھا۔ اتنا اُسے معلوم ہوا تھا کہ سعید بابر نے اپنے ہمشکل بھائی کے سلسلے میں داراب کا تذکرہ کیا تھا۔ اُس کے پہلے ڈرافٹ پر میجر داراب ہی نے تصدیق کی تھی اور الائیڈ بینک میں اس کا اکاؤنٹ بھی اسی کی سفارش پر کھولا گیا تھا۔ مگر کم از کم داراب کے متعلق یہ سوچا بھی نہیں جاسکتا تھا کہ وہ تین ہزار روپے ماہوار پر اپنی نیت خراب کر بیٹھتا۔ وہ لاکھوں میں بھی نہیں کروڑوں میں کھیلتا تھا۔ اس کے لئے لاکھ ڈیڑھ لاکھ کی رقم اتنی کشش نہیں رکھتی تھی کہ وہ اس کے لئے ایسی پراسرار وارداتیں کرتا۔ فریدی نے تو اس کی لڑکیوں میں سے ایک کے ساتھ رقص کرنے کو کہا تھا۔ مقصد کچھ بھی رہا ہو۔ حمید کو سب سے زیادہ حیرت اُس لاش نما آدمی کی طاقت پر تھی۔ اُس نے اُسے پھول کی طرح اٹھالیا تھا۔

حمید کو ایک بار پھر اُس پر غصہ آ گیا اور اُس نے ایک بہت بڑی قسم کھائی کہ وہ اُس سے اپنی اس توہین کا بدلہ ضرور لے گا۔

حمید نے ٹیکسی کمپاؤنڈ میں لے جانے کے بجائے پھاٹک ہی پر رکوا دی۔ کیونکہ قاسم پھاٹک ہی پر ٹہل رہا تھا۔ اس کے ساتھ سلیمہ بھی تھی۔

''میں یہیں تم سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔'' قاسم نے کہا۔ ''گھر میں گھپلا ہو جائے گا۔''

''کیا بات ہے۔''

''یہ سالا..... سعید بابر..... مصیبت ہو گیا ہے۔'' اور سلیمہ کی طرف دیکھنے لگا۔

''ہاں..... یہ آدمی مجھے خطرناک معلوم ہوتا ہے۔ نہ جانے کیوں میں ایسا محسوس کرتی ہوں وہ بظاہر بڑا خوش اخلاق ہے، مگر کوئی چیز..... نہ جانے کیا چیز ہے اس میں..... جس کی بناء پر اُس سے خوف معلوم ہوتا ہے۔''

''مگر وہ تم لوگوں کے لئے کیوں مصیبت ہو گیا ہے۔''

''میں نہیں پسند کرتا۔''

''کیا نہیں پسند کرتے۔''

''اُس کی اور راحلہ کی دوستی.....وہ دن میں کئی بار آتا ہے۔ دونوں میں سر پوشیاں ہوتی رہتی ہیں۔''

''سر پوشیاں.....کیا.....!''

''سر پوشیاں نہیں جانتے۔'' قاسم نے قہقہہ لگایا۔ ''بڑے قابل بنتے ہو، کان پکڑ تو بتادوں۔''

حمید نے ہاتھ بڑھا کر قاسم کا کان پکڑلیا اور قاسم مسکرا کر بولا۔ ''ٹھیک ہے.....سر پوشیاں.....وہی آہستہ آہستہ باتیں کرنا۔''

سلیمہ بے تحاشہ ہنس پڑی۔

''ابے سرگوشیاں.....لم ڈھگ.....!''

''ہائیں.....تم نے میرا کان پکڑ رکھا ہے۔'' قاسم اس کا ہاتھ جھٹکتا ہوا بولا۔ ''دھوکے باز.....میں نے تم سے اپنا کان پکڑنے کو کہا تھا۔''

''ایک ہی بات ہے۔'' حمید نے کہا۔ پھر وہ سلیمہ سے بولا۔ ''کیا آپ کو بھی اُن دونوں کا ملنا ناگوار ہے۔''

''میں نے صرف یہ کہا تھا کہ بابر جو کچھ بھی نظر آتا ہے، حقیقتاً وہ نہیں ہے۔''

''آپ کے پاس کوئی ثبوت بھی ہے..... یا یہ محض قیاس ہے۔''

''میں محسوس کرتی ہوں۔''

''ان سے زیادہ میں محسوس کرتا ہوں۔'' قاسم بولا۔ ''اس سالے کو مرغا بنانا چاہئے۔ تم نے دیکھا نہیں وہ کتنا کمینہ.....اُس بیچاری پلپلی براؤن کو ساتھ لایا اور یہاں آکر کہہ دیا کہ میں تو اُسے پہچانتا ہی نہیں۔''

''لسلی براؤن.....'' حمید نے تصحیح کی۔

''میرے ٹھینگے سے وہ کوئی براؤن ہو۔ میں تو یہ کہہ رہا تھا کہ وہ بڑا کمینہ آدمی ہے۔''

دفعتاً حمید کو خیال آیا کہ اُسے لسلی براؤن کے متعلق سعید بابر کو فون کرنا چاہئے۔ اُس نے قاسم سے کہا کہ وہ سعید بابر کو فون کرنا چاہتا ہے۔ قاسم کے استفسار پر اُس نے بتایا کہ وہ خود سعید بابر کو ٹھیک کرنے کے چکر میں ہے۔ قاسم کی چھت کے نیچے رات بسر کرنے کے لئے یہ

ضروری تھا کہ وہ قاسم کی ہاں میں ہاں ملائے۔

قاسم نے مزید سوالات نہیں کئے۔ وہ تھوڑی دیر بعد ملنے کا وعدہ کر کے چلا گیا۔ سلیمہ حمید کیساتھ ہی رہی۔ ساتھ ہی وہ دونوں اُس کمرے میں آئے جہاں فون تھا۔ اُس نے سعید بابر کے نمبر ڈائیل کئے، وہ گھر ہی پر موجود تھا۔ اُس نے اُسے وہ بُری خبر سنائی اور سعید بابر گرجنے لگا۔ ''میں نے آپ سے پہلے ہی کہا تھا..... اب بتایئے! میں ناظم الامور کے دفتر کو کیا جواب دونگا۔''

''آپ نہایت اطمینان سے اس کا سارا بار یہاں کے محکمہ سراغ رسانی پر ڈال سکتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہاں کے محکمہ سراغ رسانی کے ساتھ بھی فراڈ کیا گیا ہے..... لہٰذا.....!''

''سب جہنم میں جائے۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔ ''لسلی مجھے واپس ملنی چاہئے۔ وہ لسلی براؤن جو میرے ساتھ آئی ہے۔''

''آپ پرواہ نہ کیجئے۔'' حمید نے کہا۔ ''اس کا اس طرح غائب ہو جانا آپ کے حق میں بہت اچھا ہوا ہے۔''

''میرے حق میں کیا اچھا ہوا ہے۔'' سعید غرایا۔

''محکمہ سراغ رسانی آپ کے معاملے میں پوری طرح دلچسپی لینے لگے گا۔ ویسے اُسے اس فقیر سے کوئی دلچسپی نہ ہوتی جو آپ کا ہم شکل تھا۔ آپ کے پاس اس کا کوئی ثبوت تو نہیں کہ وہ آپ کا بھائی ہی تھا۔''

''دوسری طرف سے کوئی آواز نہ آئی۔'' حمید نے کہا۔ ''ہیلو.....!''

''لیس.....!'' دوسری طرف سے آواز آئی۔ ''ہاں آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں مگر میری وہ رپورٹ کہ میری زندگی یہاں خطرے میں ہے۔ اس کے لئے آپ لوگ کیا کر رہے ہیں۔''

''بہت کچھ کر رہے ہیں آپ مطمئن رہیے۔'' حمید نے کہا اور جواب کا انتظار کئے بغیر ریسیور رکھ دیا۔

سلیمہ نے پوچھا۔ ''کیا وہ لڑکی آپ کے ساتھ تھی۔''

''ہاں..... میں اُسے ہیڈ کوارٹر لے جا رہا تھا..... راستے میں وہ دھوکا دے کر نکل گئی۔''

''یہ لسلی براؤن والا واقعہ کیا حیرت انگیز نہیں ہے۔''

''اپنے لئے کچھ بھی حیرت انگیز نہیں ہے۔'' حمید نے مسکرا کر کہا۔ ''میری زندگی کا حیرت انگیز دن وہ ہوگا جب کوئی لڑکی مجھ سے شادی کرنے پر آمادہ ہو جائے گی۔''

''مگر اُس دن آپ مغموم بھی ہوں گے۔'' سلیمہ بولی۔ ''کیونکہ کوئی زندہ لڑکی تو آپ سے شادی کرنے سے رہی۔''

''میرے لئے یہ موضوع بہت زیادہ المناک ہے۔ اس لئے اسے یہیں ختم کردو۔''

فریدی کی کار تاریکی کا سینہ چیرتی ہوئی سنسان سڑک پر تیرتی رہی۔ لیڈی انسپکٹر ریکھا اُس کے برابر بیٹھی ہوئی اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ رہی تھی۔ اُس نے کچھ کہنے کے لئے ہونٹ کھولے اور پھر بند کر لئے۔ فریدی کی نظر ونڈ شیلڈ پر تھی۔ اچانک وہ بولا۔

''ہماری یہ مہم خطرناک بھی ہو سکتی ہے۔ اسی لئے میں تمہیں ساتھ لانے سے احتراز کر رہا تھا۔''

''آپ فکر نہ کیجئے..... اس کی تمام تر ذمہ داری خود مجھ پر ہے۔ آپ بتایئے کیا صرف فائلوں میں سر کھپانے سے میں آگے بڑھ سکوں گی۔''

''اگر تم صرف تعاقب کرنے کے آرٹ پر زور دو تب بھی تمہارا مستقبل محفوظ ہی ہوگا۔ میں اس وقت جس مہم پر جا رہا ہوں، وہ کم از کم کسی عورت کے بس کی نہیں۔''

''آپ کہاں جا رہے ہیں۔''

''بالی کیمپ..... وہاں ایک آدمی رہتا ہے جس تک پہنچنے کے لئے کافی دشواریوں کا سامنا بھی ہو سکتا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ تھوڑی سی ورزش بھی کرنی پڑے۔ ورزش کا مطلب غالباً تم سمجھتی ہی ہوگی۔ نہیں میں تمہیں وہاں تک ہرگز نہیں لے جاؤں گا۔ تم چڑھائی والے ہوٹل میں میرے فون کا انتظار کرنا۔ ہو سکتا ہے کہ میں تمہیں فون کرنے کی ضرورت محسوس کروں۔ ہو سکتا ہے کہ بات بڑھ جائے اور بالی کیمپ کے تھانے سے مدد طلب کرنی پڑے۔ یہ کام تم وقت پر انجام دے سکو گی۔''

''اگر وہ ایسی ہی خطرناک جگہ ہے تو آپ وہاں تنہا کیوں جائیں۔''

''یہ بہت ضروری ہے تنہا گئے بغیر اُس آدمی کو تلاش کرلینا آسان کام نہ ہوگا۔ میں دراصل ابھی تک اُن نشانات کو نہیں سمجھ سکا جو سعید بابر کی کمپاؤنڈ میں ملے تھے۔ وہ کسی جانور کے پیر کا نشان تو ہرگز نہیں ہوسکتا۔ مجھے یقین ہے مگر اُسے کسی آدمی کے پیر کا نشان سمجھنے میں بھی دشواری پیش آئے گی۔ اُسے کسی آدمی کے پیر کا نشان سمجھنے میں مجھے تامل ہے۔''

''ہوسکتا ہے وہ نشان محض دھوکا ہی ہو۔ میں نے آپ ہی کے کسی کیس میں پرندوں کے پنجوں کے نشانات کے متعلق پڑھا تھا۔ مگر وہ جوتوں کے تلے میں لگے ہوئے خاص قسم کے نعلوں کے نشانات ثابت ہوئے تھے۔

''ہوسکتا ہے..... یہی بات ہو۔'' فریدی نے کہا۔ ''وہ کسی جوتے کے سول کے نشانات بھی ہوسکتے ہیں مگر اتنے چوڑے جوتے بھی سمجھ میں نہیں آسکتے۔ انگلیوں کے نیچے کے ابھار کی چوڑائی تقریباً سات انچ تھی۔ چلو میں یہ بھی مانے لیتا ہوں کہ وہ اتنے ہی چوڑے جوتے ہونگے، لیکن پہننے والے کے پنجے اتنے چوڑے ہرگز نہیں ہوسکتے۔ جب پنجے اتنے چوڑے نہیں ہوسکتے تو پورے سول پر یکساں دباؤ ہرگز نہیں پڑسکتا۔ جب یکساں دباؤ نہیں پڑسکتا تو نشان کے بعض حصے یقیناً غیر واضح ہونگے۔ مگر ہمیں ایک نشان بھی ایسا نہیں ملا جس کا کوئی حصہ غیر واضح ہوتا۔''

ریکھا چند لمحے خاموش رہی پھر بولی۔ ''مگر آپ بالی کیمپ میں ان کے متعلق.....!''

''ہاں..... میں اسی کے متعلق وہاں معلومات فراہم کرنے کی توقع رکھتا ہوں۔ تمہیں چڑھائی والے ہوٹل میں چھوڑ دوں گا۔''

''مگر آج حمید صاحب کہاں ہیں۔''

''وہ ایک دوسرا کام انجام دے رہا ہے۔'' فریدی نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

لہجے کی تلخی ریکھا نے محسوس کرلی اور اس قسم کے سوالات کرنے لگی جن کے جواب ہی سے وہ اس تلخی کی تہہ تک پہنچ جائے لیکن فریدی سے کچھ معلوم کرلینا آسان کام نہیں تھا۔ حمید والے واقعے کی تشہیر نہیں چاہتا تھا اس لئے اس نے پہلے ہی انتظام کرلیا تھا کہ اس کی خبر اخبارات میں نہ آنے پائے۔ ریکھا کے سوالات کے جواب ایسے نہیں تھے جن سے وہ واقعات کا اندازہ کرسکتی۔ پھر وہ خاموش ہوگئی۔

''اچانک کار کی داہنی سمت سے ایک تیز رفتار موٹر سائیکل نکلی اور ٹھیک کار کے سامنے دوڑنے لگی۔ کار سے اس کا فاصلہ زیادہ سے زیادہ دس گز رہا ہوگا۔ فریدی نے چاہا کہ اپنی کار داہنی طرف سے آگے لے جائے لیکن اس کی کار کی ہیڈ لائیٹس کا ڈائریکشن بدلتے ہی موٹر سائیکل اب بھی سامنے ہی تھی۔ فریدی نے بائیں جانب سے نکلنا چاہا لیکن اس بار بھی وہی واقعہ پیش آیا۔

''بالکل گدھا ہے کیا.....!'' ریکھا بڑبڑائی۔

''نہیں شاید میں گدھا بننے والا ہوں۔ ٹارچ اور ریوالور سنبھالنا۔''

''خطرہ.....!'' ریکھا بڑبڑائی۔

''یقیناً.....اب اس کی رفتار بھی کم ہوتی جارہی ہے۔ یا تو مجھے رفتار کم کرنی پڑے گی یا کار روکنی پڑے گی۔''

پھر فریدی نے عقب نما آئینے کی طرف دیکھا مگر پیچھے سڑک سنسان پڑی تھی۔ نزدیک یا دور کہیں بھی کسی کار کی ہیڈ لائیٹس نہیں دکھائی دے رہی تھیں۔

''کیا قصہ ہے۔'' فریدی بڑبڑایا۔

''کیا میں اس کے پچھلے پہیئے پر فائر کروں۔'' ریکھا نے پوچھا۔

''نہیں..... یہ کام میں ہی کروں گا۔''

''کیسے..... کیجئے گا۔''

''دیکھو! بتاتا ہوں..... مگر ٹھہرو..... میں ایک بار اُسے متنبہ کردوں۔''

پھر فریدی نے چیخ کر کہا۔ ''اگر تم مرنا ہی چاہتے ہو تو اب کار میرے قابو سے نکلتی ہے۔''

لیکن موٹر سائیکل سوار کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا۔ آخر فریدی نے جھلا کر رفتار بڑھائی لیکن موٹر سائیکل والا بھی غافل نہیں تھا۔ ساتھ ہی موٹر سائیکل کی رفتار بھی تیز ہوگئی۔

اب بھی دونوں کے درمیان پہلے ہی کا سا فاصلہ تھا۔

فریدی نے کوٹ کی جیب سے ریوالور نکالا۔ اس کا ایک ہاتھ اسٹیئرنگ پر تھا۔ ریوالور کو گود میں ڈال کر داہنی طرف کی کھڑکی کا شیشہ گرانے لگا اور ریکھا کانپ گئی۔ اس کی سمجھ میں

نہیں آ رہا تھا کہ وہ کس طرح فائر کرے گا۔ ایک ہاتھ اسٹیئرنگ پر ہوگا دوسرے سے وہ فائر کرے گا۔ اس کے لئے اُسے کھڑکی کی طرف اتنا جھکنا پڑے گا کہ اسٹیئرنگ والا ہاتھ بہک بھی سکتا ہے۔ لیکن وہ کچھ بولی نہیں کیونکہ فریدی نے روانگی کے وقت ہی اس مہم کے خطرناک ہوجانے کے امکانات ظاہر کئے تھے۔ مقصد یہی تھا کہ ریکھا اُس کے ساتھ نہ جائے۔

فریدی نے ریوالور والا ہاتھ کھڑکی کے باہر نکالا۔ موٹر سائیکل، سوار سمیت کار کی اگلی روشنی میں نہائی ہوئی تھی۔ فریدی کھڑکی کی طرف جھکا۔ مگر ریکھا کی نظر اسٹیئرنگ پر رکھے ہوئے ہاتھ پر تھی۔ اچانک فریدی کے منہ سے ہلکی سی کراہ نکلی اور کار ایک جھٹکے کے ساتھ رک گئی۔ ریکھا کا سر ڈیش بورڈ سے جاٹکرایا۔ فریدی نے پورے بریک لگائے تھے۔ موٹر سائیکل فراٹے بھرتی ہوئی آگے نکل گئی۔ فریدی کا داہنا ہاتھ اب بھی کھڑکی کے باہر ہی تھا اور وہ کسی چیز کو باہر طرف دھکیلنے کی کوشش کررہا تھا۔

''انجن بند کردو......!'' اُس نے ہانپتے ہوئے کہا۔

ریکھا بوکھلا گئی۔ کار کے اندر اندھیرا تھا۔ بہرحال اُس نے بڑی پھرتی سے انجن بند کیا۔

''روشنی.....!'' فریدی نے جھلائی ہوئی آواز میں کہا۔ ریکھا کی ٹارچ اس کے زانو کے قریب ہی پڑی تھی۔ اُس نے کھڑکی میں اس کی روشنی ڈالی اور دوسرے ہی لمحے میں اُس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ فریدی کی داہنی کلائی ایک خوفناک کتے کے جبڑوں میں تھی۔ فریدی نے بائیں ہاتھ سے اس کے سر پر ایک گھونسہ رسید کیا اور وہ غراتا ہوا دوسری طرف پلٹ گیا۔ اس پر پوری طرح روشنی پڑ رہی تھی۔ یہ ایک غیر معمولی طور پر دراز قد کتا تھا۔ رنگت سیاہ تھی۔ جسم کی بناوٹ گرے ہاؤنڈ کی سی تھی..... سر پر تین سفید دھاریاں تھیں۔ کتے نے ایک بار پھر چھلانگ لگائی اور آدھے دھڑ سے کھڑکی میں گھس آیا۔ ریکھا پھر چیخی۔

اس بار فریدی نے اسے باہر دھکیل دیا۔

''تمہارا پستول.....ٹارچ جلاؤ۔''

ریکھا نے پھر ٹارچ روشن کی۔ بدقت تمام بلاؤز کے گریبان سے پستول نکالا۔ اس دوران میں فریدی نے کھڑکی کا شیشہ چڑھا دیا۔ کتا اچھل اچھل کر اس پر پنجے ماررہا تھا۔ فریدی

نے شیشے کو تقریباً ایک انچ نیچے کھسکایا اور پستول سے کتے پر فائر کر دیا۔ مگر اس نے یہ بھی دیکھا کہ کتا بڑی پھرتی سے خود کو بچا گیا۔ اُس نے دوسرا فائر کیا لیکن اس بار بھی کامیابی نہیں ہوئی۔ تیسرے فائر پر کتے نے سڑک کے کنارے کی جھاڑیوں میں چھلانگ لگادی۔ فریدی نے اُسی سمت دو فائر اور کیے لیکن جھاڑیوں میں جنبش تک نہ ہوئی۔

پھر تقریباً دو یا تین منٹ تک وہ بے حس وحرکت بیٹھا رہا۔

سارا جنگل جھینگروں کی جھائیں جھائیں سے گونج رہا تھا۔ کبھی کبھی گیدڑوں کی آوازیں بھی فضا میں ابھرتیں اور دور تک تیرتی چلی جاتیں۔

''ہمیں یہیں سے واپس ہونا چاہیے۔'' فریدی نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ ''میرا ہاتھ زخمی ہو گیا ہے۔ مجھے فوراً انجکشن لینا چاہیے۔ کتا غیر معمولی تھا۔''

وہ نیچے اترا اور اپنا ریوالور اٹھا کر پھر کار میں آ بیٹھا۔ انجن اسٹارٹ کیا اور کار شہر کی طرف موڑنے لگا۔

''بڑا حیرت انگیز کتا تھا۔'' اس نے کہا۔ ''انتہائی پھرتیلا..... یقیناً بڑی محنت سے سدھایا گیا ہوگا۔ مگر میں نہیں جانتا کہ وہ کس نسل سے ہے۔''

''میں آپ کا ہاتھ دیکھوں۔'' ریکھا نے کہا۔

''پرواہ نہ کرو..... اس کے دانت ہڈیوں تک پہنچ گئے تھے۔ مگر آج تک میری نظروں سے ایسا تیز رفتار کتا نہیں گذرا گویا وہ ستر میل فی گھنٹہ کی رفتار سے دوڑتا رہا تھا۔ وہ موٹر سائیکل اسی لئے سامنے آئی تھی کہ میں کار روک دوں اور کتا مجھ پر حملہ کردے۔''

''آپ کو تو اسی موٹر سائیکل والے کو گولی مارنی چاہیے تھی۔''

''یہ کیسے ممکن تھا۔ میں نے اسی لئے تمہیں فائر نہیں کرنے دیا تھا کہ کہیں تمہارا ہاتھ نہ بہک جائے۔ اس وقت تک ہمارے پاس اُسے گولی مارنے کا کوئی جواز نہیں تھا۔''

''پتہ نہیں وہ مردود تھا کون۔''

''تم نے نہیں دیکھا کہ اس کے چہرے پر سیاہ نقاب تھی۔''

''میں نے نہیں دیکھا تھا ورنہ آپ مجھے اس پر فائر کرنے سے باز نہ رکھ سکتے۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔ ریکھا بھی تھوڑی دیر تک خاموش رہی۔ پھر اُس نے کہا۔

''آپ کو کچھ اندازہ ہے.....وہ کون رہا ہوگا۔''

''خدا جانے.....میرے ایک نہیں ہزاروں دشمن ہیں مگر اس قسم کا کتا زندگی میں پہلی بار میری نظر سے گذرا ہے۔''

''آپ کی کلائی سے خون بہہ رہا ہوگا۔'' ریکھا نے مضمحل آواز میں کہا۔

''پرواہ نہ کرو.....میرا جسم خون بہانے کا عادی ہے۔ شائد ہی اس کا کوئی حصہ زخم کے نشان سے خالی ہو۔''

ریکھا نے ایک طویل سانس لی اور خاموش ہوگئی۔

کچھ دیر بعد فریدی نے کہا۔ ''مجھ پر غشی طاری ہو رہی ہے۔ تم ڈرائیو کرو۔ میں پچھلی نشست پر جارہا ہوں۔ شائد! میں شائد بیہوش ہوجاؤں گا۔ تم مجھے سیدھے سول ہسپتال لے جانا پولیس ہسپتال نہیں......سمجھیں۔''

فریدی نے کار روک دی اور پچھلی نشست پر جانے کے لئے اٹھا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں وہیں ڈھیر ہوگیا۔

اس کا آدھا دھڑ کار کے پچھلے حصے میں تھا اور پیر اگلی نشست پر۔

ریکھا ہسٹریائی انداز میں اُسے آوازیں دے رہی تھی۔

دوسرا سفر

''وہ خطرے سے باہر نہیں ہیں۔'' سول سرجن نے اس کمرے میں آکر کہا۔ جہاں لیڈی انسپکٹر ریکھا اور سارجنٹ رمیش موجود تھے۔ دونوں کے چہروں پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔

''کتا حیرت انگیز طور پر زہریلا معلوم ہوتا ہے۔'' سول سرجن نے پھر کہا۔

''میں آئی جی اور ڈی آئی جی کو فون کرچکا ہوں۔''

"خ.....خطرے سے.....کک.....کیا مراد ہے آپ کی۔"

"یعنی.....وہ.....آپ کا ساتھ چھوڑ بھی سکتے ہیں۔"

"نہیں.....!" رمیش بے اختیار چیخا اور کسی بچے کی طرح پھوٹ پڑا۔ اُسے اپنے آفیسر سے بہت محبت تھی۔ وہ جو آفیسر سے زیادہ ایک بڑا بھائی تھا۔ ریکھا دونوں ہاتھوں سے اپنا منہ چھپا کر کمرے سے باہر نکل گئی۔

اچانک ایک ڈاکٹر نے کمرے میں آ کر کہا۔ "وہ ہوش میں آ گئے ہیں۔"

"آہا.....!" سول سرجن یکلخت اچھل پڑا۔ "تب تو.....تب تو کوئی خطرہ نہیں ہے۔" اس نے کہا اور تیزی سے دروازے میں مڑ گیا۔

رمیش کی بیساختہ قسم کی سسکیاں ابھی تک جاری تھیں، لیکن اُس نے کسی نہ کسی طرح برآمدے میں آ کر ریکھا کو یہ خوشخبری سنائی۔ ریکھا بھی وہاں رو ہی رہی تھی۔

کچھ انہیں دونوں پر منحصر نہیں تھا محکمے کا ہر وہ آدمی جو فریدی سے حسد نہیں رکھتا تھا اُسے بے حد چاہتا تھا۔

تھوڑی ہی دیر میں کئی آفیسر وہاں پہنچ گئے۔ اُن میں ڈی۔آئی۔جی بھی تھا۔ لیکن حمید.....اُسے اس کا علم ہی نہیں تھا۔ ریکھا نے کئی بار گھر پر فون کیا مگر وہ قاسم کے یہاں تھا۔

دوسری صبح اُس نے یہ خبر اخبار میں پڑھی لیکن خبر بھی مکمل نہیں تھی۔ اس جملے پر خبر کا اختتام ہوا تھا کہ دو بجے رات تک کرنل فریدی خطرے سے باہر نہیں تھے۔ ایک دوسرے اخبار میں لیڈی ریکھا کا بیان کردہ واقعہ بھی موجود تھا۔ حمید پریشان ہو گیا۔ پہلے اُس نے گھر کا رخ کیا۔ پھر وہاں سے سیدھا سول ہسپتال پہنچا۔ کمپاؤنڈ ہی میں اُسے معلوم ہو گیا کہ فریدی کی حالت بہتر ہے، لیکن حمید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کس طرح اُس کے سامنے جائے۔ فریدی رات بھر موت و حیات کی کشمکش میں رہا تھا اور وہ قاسم کے یہاں میٹھی نیند سویا تھا۔ اُسے شرمندگی تھی۔ حالانکہ یہ سب کچھ اس کی نادانستگی میں ہوا تھا۔ مگر پھر بھی وہ فریدی کے سامنے جاتے ہوئے ہچکچا رہا تھا۔

مگر جانا تو تھا ہی۔ اُس نے ڈرتے ڈرتے پرائیویٹ وارڈ کے اس کمرے میں قدم رکھا جہاں

فریدی تنہا موجود تھا۔ رمیش اور ریکھا بھی جا چکے تھے۔ اُن دونوں نے رات یہیں گذاری تھی۔

اس وقت فریدی بستر کی بجائے آرام کرسی پر تھا۔ مگر اُس کے چہرے سے یہ اندازہ کرنا بہت مشکل تھا کہ وہ پچھلی رات موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا رہ چکا تھا۔ صرف پٹی کے علاوہ جو اس کی کلائی پر چڑھی ہوئی تھی۔ حمید کو اور کوئی غیر معمولی بات نظر نہیں آئی۔

فریدی اُسے دیکھ کر مسکرایا اور حمید کے ہونٹ کپکپانے لگے۔

''بیٹھ جاؤ۔'' فریدی نے کہا۔ اُس کی آواز میں بھی اضمحلال نہیں تھا۔ حمید چوروں کی طرح بیٹھ گیا۔ سمٹا سمٹایا ہوا سا۔

''تم نے پچھلی رات بہت بہک کر کہا تھا کہ تم اب مجھے اپنی شکل نہیں دکھاؤ گے۔''

فریدی بدستور مسکراتا رہا۔

حمید نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کی نظریں فرش پر تھیں۔ فریدی بھی خاموش ہوگیا۔ حمید نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ ''میں نے رات قاسم کے یہاں بسر کی تھی۔ صبح کے اخبار میں خبر سے مجھے معلوم ہوا۔''

''ہاں! کتا بہت زہریلا تھا۔ مگر شاید میری قوت دافعہ میں ابھی انحطاط نہیں ہوا۔ بہر حال اب میں بالکل ٹھیک ہوں اور مجھے اُس کتے کی فکر ہے۔ ایسا کتا آج تک میری نظر سے نہیں گذرا۔''

''آپ گھر کب چلیں گے۔''

''ابھی اور اسی وقت ..... مجھے صرف تمہارا انتظار تھا۔ لیکن تم مجھے اس طرح لے چلو گے جیسے میں نقل وحرکت سے مجبور ہوں۔''

''کوئی خاص آئیڈیا.....!'' حمید اُسے غور سے دیکھنے لگا۔

''ہاں..... قطعی.....!''

پھر حمید نے وجہ نہیں پوچھی۔ فریدی بستر پر جا لیٹا اور حمید باہر نکل کر ایمبولینس گاڑی کا انتظار کرنے لگا۔ چار آدمی ایک اسٹریچر لائے۔ فریدی کو بستر سے اٹھا کر اسٹریچر پر ڈالا گیا، اس طرح وہ ایمبولینس گاڑی تک پہنچا۔

حمید متحیر تھا کہ آخر فریدی کیا کرنا چاہتا ہے۔

عدنان نے اخبار میز پر رکھ کر ایک طویل سانس لی اور کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔ پھر اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگا۔ اس کے اندر اضطراب ظاہر ہو رہا تھا۔ اس نے ایک بار پھر اخبار اٹھا کر کوئی خاص خبر دوبارہ پڑھی اور اخبار کو توڑتا مروڑتا ہوا کمرے سے باہر نکل آیا۔

راہداری میں ایک نوکر سے اس نے تنویر کے متعلق پوچھا اور یہ معلوم کر کے کہ تنویر لائبریری میں ہے وہ اسی طرف چلا گیا۔

تنویر بھی اخبار ہی دیکھ رہی تھی۔ عدنان کی آہٹ پر چونک کر اُسے استفہامیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

''تم نے وہ خبر پڑھی ممی..... کرنل فریدی کے متعلق۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے تم نے اس رات مجھ سے پوچھا تھا کہ کتے کے سر پر سفید دھاریاں تو نہیں تھیں۔''

''ہوں.....تو پھر.....!'' تنویر نے اُسے تیز نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا اور ہونٹ بھینچ لئے۔

''کچھ نہیں..... کرنل فریدی بڑا شاندار آدمی ہے۔ اگر وہ مر گیا تو مجھے بڑی کوفت ہوگی۔ ہم دونوں میں یونہی معمولی سی جان پہچان ہے۔ ایک بار ہمیں ایک ساتھ شکار کھیلنے کا اتفاق ہوا تھا..... کیا کہنے ہیں اس کے نشانے کے۔ خدا کی قسم ہاتھ چوم لینے کو دل چاہتا ہے۔ ممی وہ بندر کی طرح پھرتیلا..... لومڑی کی طرح چالاک اور شیر کی طرح نڈر ہے۔''

''ہوں.....تو پھر.....!''

''میں اُسے دیکھنے جاؤں گا۔''

''تم گھر سے باہر قدم نہیں نکال سکو گے..... ویسے اگر نوکروں کے ہاتھوں بے عزتی پسند ہے تو میں کچھ نہیں کہتی۔''

''ممی..... تم مجھے خودکشی پر مجبور کر رہی ہو۔'' عدنان جھنجھلا گیا۔

''میری اجازت کے بغیر تم وہ بھی نہیں کر سکو گے۔'' تنویر نے انتہائی سرد لہجے میں کہا۔

''تم مجھے نہیں روک سکو گی۔ اگر فریدی زندہ ہے تو ہم دونوں ملکر اس کتے کو تلاش کریں گے۔''

''اس سلسلے میں میں کچھ نہیں سننا چاہتی۔''

"تو پھر تم ہی مجھے اس کتے کے متعلق کچھ بتا دو۔"

"میں کچھ نہیں جانتی۔"

"پھر تم نے سفید دھاریوں کے متعلق کیوں پوچھا تھا۔"

"یونہی..... عدنان..... یہاں سے جاؤ۔ میں اخبار دیکھ رہی ہوں۔"

"تم مجھے باہر نہیں نکلنے دو گی..... کیوں؟"

تنویر دوبارہ اخبار دیکھنے لگی تھی۔ اُس نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"میں فریدی کو فون کرنے جا رہا ہوں۔" عدنان بولا۔

"دفع ہو جاؤ..... یہاں سے۔" تنویر نے اخبار سے نظر ہٹائے بغیر جھنجھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

عدنان چند لمحے اُسے گھورتا رہا پھر لائبریری سے چلا گیا۔ جیسے ہی وہ باہر نکلا تنویر اخبار پھینک کر کھڑی ہو گئی۔ میز کی دراز سے ایک قلم تراش چاقو نکالا اور باہر نکل کر بڑی تیزی سے اس کی طرف چلنے لگی جدھر ٹیلی فون کے تار کا کھمبا تھا۔

اس نے ادھر اُدھر دیکھا اور چاقو سمیت ٹیلی فون کے تاروں پر جھک پڑی۔ ذرا ہی سی دیر میں تار کٹ گئے۔ اب وہ پھر لائبریری ہی کی طرف واپس جا رہی تھی۔

لائبریری میں پہنچ کر اُس نے کال بل کا بٹن دبایا اور دوسرے ہی لمحے میں ایک باوردی چپراسی اندر آ گیا۔

"باڈی گارڈ کو یہاں بھیج دو.....!" اُس نے اس سے کہا اور پھر اخبار اٹھا کر اس کی ورق گردانی کرنے لگی۔ مگر اس کے چہرے سے یہ نہیں ظاہر ہو رہا تھا کہ اس نے ابھی کوئی غیر معمولی کام انجام دیا ہے۔

تھوڑی دیر بعد چاروں باڈی گارڈ لائبیریری میں داخل ہوئے۔

"بیٹھ جاؤ.....!" تنویر نے سامنے پڑی ہوئی کرسیوں کی طرف اشارہ کیا اور ان کے بیٹھنے تک خاموش رہی..... پھر بولی۔ "میں عدنان کو یہاں سے ہٹانا چاہتی ہوں۔"

"مگر آپ نے فرمایا تھا۔"

''پوری بات سنو۔'' تنویر نے بولنے والے کو ڈانٹ دیا۔

ایک لمحے کے لئے وہاں موت کی سی خاموشی طاری ہوگئی۔ تنویر کی کرخت آواز دیواروں اور چھت سے ٹکرا کر ایک قسم کی جھنکار سی پیدا کرنے لگی۔ ''تم لوگوں کو صرف باتیں بنانا آتی ہیں۔ عملی حیثیت سے صفر ہو۔ تم سے ابھی تک اتنا نہ ہوسکا کہ سعید بابر کو ٹھکانے لگا دیتے۔''

''محترمہ! ہم تین بار کوشش کر چکے ہیں۔'' معمر آدمی نے کہا۔ ''لیکن شاید ابھی اس کے ستارے گردش میں نہیں آئے۔''

''بکواس مت کرو..... تم سب نکمے ہو۔ وہ تو دور کی بات ہے۔ تم سے اتنا نہیں ہوسکتا کہ عدنان کو نگرانی میں رکھو۔ اسی عمارت میں رہ کر وہ خلاف حکم حرکتیں کر جاتا ہے اور تم آنکھیں بند کئے بیٹھے رہتے ہو۔''

''محترمہ وہ بھی مالک ہیں۔''

''جب میں اُسکے خلاف کوئی حکم دوں تو اُسے میرا بیٹا نہ سمجھو۔'' تنویر آنکھیں نکال کر بولی۔

''اب ایسا ہی ہوگا۔'' معمر آدمی نے کہا۔ ''مگر وہ بے تحاشہ ہاتھ چھوڑ دیتے ہیں۔ اگر اپنے بچاؤ کے سلسلے میں ہم سے کوئی گستاخی ہوجائے..... تو.....!''

''گستاخی ہوجانے دو.....!''

''تو پھر اب اطمینان رکھئے کہ وہ آپکے حکم کے خلاف ایک قدم بھی نہ اٹھا سکیں گے۔''

تنویر تھوڑی دیر تک کچھ سوچتی رہی پھر آہستہ سے بولی۔ ''میں اُسے یہاں سے ہٹانا چاہتی ہوں۔ مگر ٹھہرو! تم نے فریدی کے متعلق پڑھا۔''

''جی ہاں.....!'' معمر آدمی نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ ''اور ہمیں افسوس ہے کہ وہ اب خطرے سے باہر ہے۔''

''کیا خبر ہے۔''

''اُسے اسٹریچر پر ڈال کر گاڑی میں رکھا گیا اور کیپٹن حمید اسے گھر لے گیا۔''

''جب وہ اپنے پیروں سے چل بھی نہیں سکتا تو اُسے ہسپتال سے کیوں ہٹایا گیا۔''

''خدا ہی جانے۔''

''خیر مجھے اس سے بحث نہیں۔'' عدنان اور فریدی ایک دوسرے کے شناسا ہیں۔ عدنان پر بھی ایک کتے ہی نے حملہ کیا تھا اور اتفاق سے وہ کتا بھی اسی قسم کا تھا جس کے متعلق اخبارات میں آیا ہے۔ لہٰذا عدنان فریدی سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ فی الحال میں نے ٹیلی فون کے تار کاٹ دیئے ہیں۔ مگر یہ طریقہ زیادہ دیر تک کامیاب نہیں ثابت ہو سکتا۔''

وہ فریدی سے رابطہ قائم کرنا چاہتے ہیں۔'' معمر آدمی نے حیرت سے کہا۔

''ہاں.....!''

''تو کیا آپ انہیں اپنے حالات سے بالکل ہی لاعلم رکھتی ہیں۔''

''شٹ اپ..... تمہیں اس سے کوئی بحث نہ ہونی چاہئے۔''

''میں معافی چاہتا ہوں..... محترمہ.....!'' معمر آدمی گڑگڑایا۔

''آج رات اُسے یہاں سے ہٹا دو۔''

''جو حکم ہو۔''

''قریب آؤ..... اپنی کرسیاں قریب کھسکا لاؤ۔''

رات اندھیری تھی اور کیپٹن حمید سارجنٹ رمیش کے ساتھ سعید بابر کی کوٹھی کے گرد منڈلا رہا تھا مگر سارجنٹ رمیش کو اسکیم نہیں معلوم تھی۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ اندھیرے میں سر مارنے کا مقصد کیا ہے۔

''یہ چکر کیا ہے بڑے بھائی۔'' رمیش بڑبڑایا۔

''بدنصیبی . . .!'' حمید ایک ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ''گدھے بھی اس وقت گھاس کھا رہے ہوں گے لیکن ہم سردی کھا رہے ہیں۔ رمیش کیا تمہارے والدین زندہ ہیں؟''

''ہاں..... کیوں؟''

''تمہاری شادی بھی نہیں ہوئی۔ پھر تم اس محکمے میں کیوں جھک مار رہے ہو۔''

''تو تمہارے ساتھ کون سی مصیبت ہے۔ تم بھی تو آزاد ہو۔ تم کیوں یہاں جھک مار

رہے ہو۔" رمیش نے کہا۔

"میں ڈرتا ہوں کہ کہیں میری شادی نہ ہو جائے۔ اُس وقت کیا ہوگا۔"

"آپ کو شادی کی ضرورت ہی کیا ہے۔"

"میں مار بیٹھوں گا تمہیں..... تم بھی یہی کہتے ہو۔"

"میں غلط نہیں کہہ رہا ہوں۔ درجنوں لڑکیاں تو تمہارے ساتھ ماری ماری پھرتی ہیں۔"

"آہا..... یہی تو تم نہیں سمجھتے۔ اس راز سے واقف نہیں ہو۔ نہ سمجھو تو بہتر ہے۔"

"آخر پھر بھی۔"

"چھوڑو..... ہم اس وقت ڈیوٹی پر ہیں۔ ہمیں لڑکیوں کی باتیں نہ کرنی چاہئیں۔"

"انسپکٹر ریکھا کی بات کرو..... وہ تو اپنے محکمے ہی کی ہیں۔" رمیش نے قہقہہ لگایا۔ وہ ٹہلتے ہوئے عمارت کی پشت پر جا نکلے۔

"ریکھا.....!" حمید کہہ رہا تھا۔ "اس نے شائد فریدی صاحب سے پریم اسٹارٹ کر رکھا ہے۔"

"میں بھی یہی محسوس کر رہا ہوں۔ دن میں کم از کم دس بار صاحب کے کمرے میں آتی ہیں۔"

"ہائے..... ریگ زاروں میں کہیں ہوتی ہے پانی کی نمود..... آپ بھٹکتے گی..... کرنل ہارڈ اسٹون کو مجھ سے زیادہ اور کوئی نہیں سمجھتا۔ دنیا کی ڈیڑھ درجن حسین ترین عورتوں کو میں جانتا ہوں جو آج بھی کرنل ہارڈ اسٹون کو سافٹ کوک بنانے کے چکر میں ہیں۔"

"واقعی حمید بھائی..... سمجھ میں نہیں آتا کہ کرنل صاحب عورتوں سے اتنا بدکتے کیوں ہیں۔"

"نہیں ایسا بھی نہیں ہے۔ کیا تم نے انہیں کبھی کسی عورت کے ساتھ ناچتے نہیں دیکھا۔"

"نہیں.....!" رمیش نے حیرت سے کہا۔

"آہا..... تم نے نہیں دیکھا۔ اُس وقت وہ حضرت پرانے کھلاڑی اور پرلے سرے کے عیاش معلوم ہوتے ہیں۔ مگر حقیقت..... میرا دعویٰ ہے کہ اس شخص میں عورت کے حسن سے محظوظ ہونے کی صلاحیت ہی نہیں ہے۔ اگر ضرورتاً انہیں کسی بھینس کے ساتھ ناچنا پڑے تب بھی وہ اتنے ہی ہشاش بشاش نظر آئیں گے۔"

"کمال ہے..... یہاں تو یہ عالم ہے کہ اگر کبھی کسی لڑکی نے مسکرا کر بات کر لی تو ہفتوں

کی نیندیں حرام..... بس یہ معلوم ہوتا ہے جیسے وہ سچ مچ مجھ پر عاشق ہوگئی ہو اور ایسے میں دل کہنے لگتا ہے دونوں طرف ہے آگ برابر لگی ہوئی۔ یقیناً وہ بھی اپنے فراق میں اسی طرح تڑپ رہی ہوگی۔"

"ہائیں.....!" حمید نے متحیرانہ انداز میں کہا۔ "رمیش! تم مادر زاد عاشق معلوم ہوتے ہو اور اس کے باوجود بھی کرنل ہارڈ اسٹون کی نظر میں اچھے کے اچھے۔"

"میں لڑکیوں کی دم میں تو نہیں بندھا رہتا۔" رمیش نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"لڑکیوں کے متعلق سوچتے رہنا اس سے بھی بُرا ہے فرزند.....!"

"مارو گولی.....!" رمیش نے ہاتھ جھٹک کر کہا۔ "سردی لگ رہی ہے۔ آخر ہم کب تک اس طرح جھک مارتے پھریں گے۔"

جب تک کہ سعید بابر کے دشمن اُسے ختم نہ کردیں۔ یہ لوگ غیر ممالک سے اسی لئے آتے ہیں کہ ہم کام چور اور نکمے نہ ہونے پائیں۔"

"کیا اس کے کچھ دشمن بھی ہیں۔" رمیش نے پوچھا۔

حمید اثبات میں جواب دے کر ایک دیوار سے ٹک گیا۔ رمیش سعید بابر کے ہم شکل فقیر کو دیکھ چکا تھا لیکن اُسے اُن واقعات کا علم نہیں تھا، جو اس کے بعد ظہور پذیر ہونے والے تھے۔ فریدی نے شروع سے اس بات کا خیال رکھا تھا کہ سعید بابر کی ذات سے تعلق رکھنے والے کسی بھی واقعہ کا ذکر اخبارات میں نہ آنے پائے اور اس نے سعید بابر کو تاکید بھی کردی تھی کہ ان واقعات کے متعلق کسی کو کچھ نہ بتائے۔ سعید بابر نے اس پر حیرت بھی ظاہر کی تھی۔ لیکن فریدی نے اُسے سمجھا دیا تھا کہ بات پھیلنے پر پریس رپورٹر اُس کی زندگی تلخ کردیں گے۔

"تو وہ یہاں مقیم کیوں ہے۔" رمیش نے پوچھا۔

"پتہ نہیں! اگر وہ مرنا ہی چاہتا ہے تو ہمیں کیا اعتراض ہوسکتا ہے۔" حمید دیوار سے اپنی پشت الگ کرتا ہوا بولا۔

وہ پھر ٹہلتے ہوئے سڑک کی طرف چل پڑے۔ سعید بابر کی کمپاؤنڈ اب تاریک ہوچکی تھی۔ برآمدہ بھی تاریک تھا۔ حمید اور رمیش سلاخوں دار پھاٹک کے قریب آکر رک گئے۔ یہ

کوٹھی ایک ایسی جگہ پر واقع تھی جس کے آس پاس کوئی الیکٹرک پول نہیں تھا اس لئے پھاٹک کے قریب و جوار میں تاریکی ہی رہتی تھی۔

پھاٹک اندر سے بند تھا لیکن اس کی اونچائی زیادہ نہیں تھی۔ پہلی ہی کوشش میں حمید دوسری طرف پہنچ گیا۔ رمیش باہر ہی رہا۔ حمید نے آہستہ سے کہا۔

"چلے آؤ۔"

رمیش نے اس کی تقلید کی۔ اندر چاروں طرف تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔

"کراٹا کی باڑھ کی اوٹ ہی میں رہنا۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔

عمارت میں کہیں بھی روشنی نظر نہیں آ رہی تھی۔ حمید نے اپنی ریڈیم ڈائیل والی گھڑی کی طرف دیکھا۔ بارہ بج چکے تھے۔ وہ دونوں آہستہ آہستہ پورچ کی طرف بڑھتے رہے۔

ادھر تین دنوں سے برابر سعید بابر شکایت کرتا رہا تھا کہ چند نامعلوم آدمی عمارت میں داخل ہونے کی کوشش کرتے ہیں اور وہ جاگ کر راتیں گذارتا ہے۔ آج یہاں ان دونوں کی موجودگی کی یہی وجہ تھی۔

وہ تقریباً ایک بجے تک سرگرداں رہے لیکن سعید بابر کے بیان کی تصدیق نہ ہو سکی۔

"کیوں نہ اب میں ہی حملہ کر دوں۔ اس اُلو کے پٹھے پر۔" حمید نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا اور رمیش ہنسنے لگا۔

"نہیں یار.....!" حمید پھر بولا۔ "کچھ نہ کچھ کرنا ہی چاہئے۔ مجھے یہ آدمی بھی بڑا پُر اسرار معلوم ہوتا ہے۔ سنو! کیوں نہ ہم اندر چلیں۔ میرا خیال ہے کہ کوئی کھڑکی آزمانی چاہئے۔"

"اگر تم نے ایسی کوئی حماقت کی تو بھگتو گے۔" حمید نے اپنے پیچھے ایک تیز قسم کی سرگوشی سنی اور بیساختہ اچھل پڑا۔ رمیش بھی بوکھلا گیا۔

"چلو اب یہاں کچھ بھی نہیں ہے۔ میں اپنا اطمینان کر چکا ہوں۔" وہی آواز پھر آئی۔ لیکن اس بار حمید نے پہچان لیا۔ یہ فریدی کی آواز تھی اور اب وہ کراٹا باڑھ پھلانگ کر ان کے قریب پہنچ چکا تھا۔

"عمارت خالی ہے۔" اُس نے آہستہ سے کہا۔ "سعید بابر اندر موجود نہیں ہے۔"

''مگر آپ کیوں چلے آئے۔'' حمید بڑبڑایا۔ ''آپ تو خود کو صاحب فراش ظاہر کرنا چاہتے تھے۔''

''وہ تو میں اب بھی ہوں لیکن اُجالے میں تم مجھے پہچان نہ سکو گے۔''

''میک اپ.....!'' حمید نے کہا۔

''ہاں.....اب اس کے بغیر کام چلتا نظر نہیں آتا۔''

''تو آپ آرام نہیں کریں گے۔ آپ کی کلائی بُری طرح زخمی ہوگئی ہے۔''

''پرواہ نہ کرو.....اب یہاں سے نکلو۔ ہمیں بالی کیمپ کی طرف چلنا ہے۔''

حمید جھلا گیا۔ مگر کچھ بولا نہیں۔ وہ سمجھا تھا کہ اب یہاں سے گھر ہی کی طرف جانا ہوگا۔ شدید سردی کے احساس کے باوجود بھی اس کی پلکیں نیند سے جھکی آرہی تھیں۔ وہ کمپاؤنڈ سے باہر آئے۔ تھوڑی دور پیدل چلنے کے بعد فریدی اپنی گاڑی کے قریب پہنچ گیا۔

''تم کار ڈرائیو کرو گے۔'' فریدی نے حمید سے کہا۔

''اس وقت مجھ سے یہ کام نہ لیجئے ورنہ کار سمیت کسی درخت ہی پر بسیرا ہوگا۔''

''بکواس مت کرو۔''

''نیند کا یہی عالم ہے جناب۔''

''رمیش تم ڈرائیور کرو.....کیا تمہیں بھی نیند آرہی ہے۔''

''جی نہیں.....میں بالکل ٹھیک ہوں۔''

رمیش اور حمید اگلی نشست پر جا بیٹھے اور فریدی نے پچھلی نشست کا دروازہ کھولا۔ کچھ دیر بعد کار سنسان سڑکوں پر چکراتی ہوئی بالی کیمپ کی طرف جارہی تھی اور حمید کھڑکی پر بازو ٹیکے بڑے اطمینان سے سورہا تھا۔

رمیش ہمیں جلد پہنچنا ہے۔'' فریدی نے کہا۔ ''رفتار اور تیز کرو۔''

''بہت بہتر جناب۔'' رمیش نے کہااور رفتار تیز کردی۔

اس وقت وہ اسی سڑک پر تھے جس پر چند روز قبل فریدی کو ایک حیرت انگیز تجربہ ہوا تھا۔ فریدی سیدھا ہوکر بیٹھ گیا۔ ریوالور کے دستے پر اُس کی گرفت بہت مضبوط تھی مگر آج وہ بخیر و

خوبی اس سڑک سے گذر گیا۔

جب کار بالی کیمپ والی سڑک پر مڑ رہی تھی۔فریدی نے حمید کو جھنجھوڑ کر اٹھا دیا۔

''تم جھولے پر نہیں ہو فرزند.....!'' اُس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

حمید کچھ نہیں بولا۔ چپ چاپ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ ویسے اُس کا دل چاہ رہا تھا کہ کار سے چھلانگ لگا دے۔ آنکھوں میں جلن سی محسوس ہونے لگی تھی اور کھوپڑی ہوا میں معلق معلوم ہو رہی تھی۔

''رمیش کار روک دو۔'' فریدی نے کہا اور رمیش نے رفتار کم کر کے کار کو سڑک کی کنارے لگا دیا۔فریدی حمید کے شانے پر ہاتھ رکھ کر نرم لہجے میں بولا۔ ''یہ کام بہت اہم ہے۔ ورنہ میں ایسی صورت میں بستر مرگ سے اٹھنے کی زحمت کیوں گوارا کرتا۔''

حمید خاموش ہی رہا۔ بہر حال وہ اب ذہن کو نیند کے پیچ وخم سے آزاد کرانے کی کوشش کر رہا تھا اور خود اُسے بھی احساس ہو چلا تھا کہ اس وقت جھلاہٹ کا مظاہرہ قطعی بے تکا رہے گا۔

''اس کام کا سارا دارومدار تم پر ہے۔'' فریدی بولا۔

''ہاں.....اچھا.....پھر.....!''

''ہاں.....اچھا.....پھر کیا؟ کیا ابھی تک نیند سوار ہے۔''

''نہیں.....میں بالکل ٹھیک ہوں۔''

''تمہیں وہ نیگرو شکاری زغالی یاد ہے نا جو کبھی نواب وجاہت مرزا کے یہاں میر شکاری کی حیثیت سے ملازم تھا۔''

''ہاں مجھے یاد ہے۔''

''اس وقت ہم اُسی کے پاس جا رہے ہیں اور ہمیں اُس سے اُن نشانات کے متعلق معلومات حاصل کرنی ہیں جو سعید بابر کی کمپاؤنڈ میں ملے تھے۔''

''وہ کیا بتا سکے گا۔''

''مجھے یاد پڑتا ہے کہ ایک بار اس نے ایسے ہی حیرت انگیز نشانات کا تذکرہ کیا تھا اور بات غالباً افریقہ نیروبی ہی کی تھی.....البتہ وہ واقعہ یاد نہیں آ رہا ہے جس کے سلسلے میں اس نے

بات چھیڑی تھی۔"

"زغالی کہاں ہے۔"

"بالی کیمپ کی ایک بستی میں۔ میں تمہیں وہیں لے چل رہا ہوں۔ خطرناک آدمیوں کی بستی ہے۔ ہر وہ آدمی جو رات میں نظر آئے اُس کے سامنے زغالی کا نام ضرور لینا ورنہ جسم پر کپڑے بھی نظر نہ آئیں گے۔"

"یہ آپ کہہ رہے ہیں؟" حمید نے حیرت سے کہا۔

"ہاں میں کہہ رہا ہوں..... یہ موقع ہی ایسا ہے کہ میں بات نہیں بڑھانا چاہتا..... سمجھے..... زغالی تمہیں یقیناً پہچان لے گا۔ میرے متعلق تم کہہ سکتے ہو کہ میں علم الاجسام کا ایک پروفیسر ہوں اور میرے پاس کسی حیرت انگیز جانور کے پیروں کے نشانات کے فوٹو ہیں اور تم مجھے اس کے پاس اسی لئے لائے ہو کہ وہ مجھے اپنی معلومات سے فائدہ پہنچائے۔"

اس کی درندگی

چاروں طرف پکے کچے مکانات کے سلسلے بکھرے ہوئے تھے۔ بستی میں گھسنا دشوار ہو گیا تھا۔ چاروں طرف کتوں نے آسمان سر پر اٹھا لیا تھا۔ پھر ذرا ہی سی دیر میں ایسا معلوم ہونے لگا جیسے ساری بستی جاگ پڑی ہو۔ دروازوں کے کھلنے اور بند ہونے کی آوازیں آنے لگیں۔ اچانک ایک گلی میں چار آدمی ان کا راستہ روک کر کھڑے ہو گئے۔ ایک نے ان پر ٹارچ کی روشنی ڈالی۔

"ہم زغالی کے پاس جا رہے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"اوہ جائیے..... جائیے.....!" ٹارچ والا ایک طرف ہٹتا ہوا بولا۔ "کیا آپ اندھیرے ہی میں جائیں گے۔ آپ کے پاس ٹارچ نہیں ہے۔"

"نہیں..... ہم سے غلطی ہوئی۔ لانا بھول گئے۔" حمید بولا۔

"چلئے..... میں آپ کو راستہ دکھاتا ہوں۔!" ٹارچ والے نے کہا۔

وہ لوگ پھر چل پڑے۔ ایک آدمی ٹارچ کی روشنی میں انہیں نہ صرف راستہ دکھا رہا تھا بلکہ ان کتوں کو ڈانٹتا بھی جا رہا تھا جو ادھر اُدھر کی گلیوں سے نکل کر بھونکنے لگتے تھے۔

پھر وہ ایک پختہ عمارت کے سامنے رک گئے جو سرخ اینٹوں سے بنائی گئی تھی۔عمارت بہت پرانی تھی اور اس کی اینٹوں میں لونا لگنے لگا تھا۔

ان کا راہبر وہاں پہنچ کر رخصت ہو گیا۔

حمید نے صدر دروازے کی زنجیر کھٹکھٹائی اور اُس وقت تک کھٹکھٹاتا رہا جب تک کہ اندر سے ایک غصیلی آواز نہیں آئی۔

"کون ہے.....!" کسی نے دھاڑ کر پوچھا۔

"ایک ضرورت مند.....دروازہ کھولو.....!" حمید نے کہا۔

"کیا صبح نہ ہوتی۔" کسی نے دروازے کے قریب آ کر کہا۔"تم کون ہو!"

"میں کیپٹن حمید ہوں.....مرکزی سی آئی ڈی کا ایک آفیسر۔"

دوسری طرف سے ایک ہلکی سی غراہٹ سنائی دی اور ساتھ ہی دروازہ چڑچڑاہٹ کے ساتھ کھل گیا۔

اندر زرد رنگ کی ہلکی سی روشنی تھی اور ان کے سامنے ایک چوڑا چکلا عمر معمر نیگرو کھڑا تھا۔ اُس کی گردن شانوں میں دھنسی ہوئی تھی۔وہ بڑے غور سے حمید کی طرف دیکھتا رہا پھر بولا۔

"بے شک آپ وہی ہیں.....مگر مجھے حیرت ہے اتنی رات گئے۔"

وہ اُن کے آگے چلنے لگا۔اس کی چال عجیب تھی۔اس طرح اچھل اچھل کر چل رہا تھا جیسے ٹانگیں چھوٹی بڑی ہوں۔

وہ انہیں ایک ایسے کمرے میں لایا جہاں بید کی تین چار میلی سی کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔ دیوار سے ایک رائفل لٹکی نظر آ رہی تھی۔یہاں مٹی کے تیل کا ایک لیمپ تھا جسے زغالی نے آتے ہی روشن کر دیا تھا۔

"آپ لوگ بیٹھئے.....!" اس نے قدرے جھک کر کہا۔

یہ تینوں بیٹھ گئے۔رمیش حیرت سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔کبھی کبھی وہ اُس نیگرو کی طرف بھی دیکھتا لیکن کچھ اس انداز میں کہ فوراً ہی دوسری طرف دیکھنے لگتا جیسے وہ اُس سے خوفزدہ نہ ہونے کی کوشش کر رہا ہو۔

''ہاں.....اب بتایئے.....میں کیا خدمت کر سکتا ہوں۔''

''یہ پروفیسر دیال ہیں۔علم الاجسام کے ماہر۔'' حمید نے فریدی کی طرف اشارہ کیا جو میک اپ میں تھا۔

''علم الاجسام کیا۔'' زغالی نے سوال کیا۔

''آپ ہی بتایئے جناب۔'' حمید نے فریدی کی طرف دیکھ کر کہا۔

''بات یہ ہے کہ میں پہلے کرنل فریدی کے پاس گیا تھا۔'' فریدی نے کہا۔''انہوں نے مجھے آپ کے پاس بھیج دیا۔میرے پاس دراصل چند حیرت انگیز نشانات کے فوٹو ہیں۔میرا خیال ہے کہ وہ کسی جانور کے پیروں کے نشانات ہیں مگر اس قسم کا کوئی جانور میرے علم میں نہیں ہے۔مجھے معلوم تھا کہ کرنل فریدی بھی لامحدود معلومات رکھتے ہیں اسی لئے میں اس سلسلے میں ان کے پاس گیا تھا مگر انہوں نے بھی لاعلمی ظاہر کی۔پھر آپ کا پتہ بتایا کہ آپ ضرور بالضرور ان پر روشنی ڈال سکیں گے۔''

''مگر اس کے لئے آپ دن کو بھی آسکتے تھے۔'' زغالی نے حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔

''دیکھئے بات دراصل یہ ہے۔'' فریدی جلدی سے بولا۔''یہ نشانات کئی دنوں سے یونیورسٹی میں زیرِ بحث ہیں۔ہم میں سے کئی پروفیسران کے متعلق تحقیقات کر رہے ہیں۔کل صبح ہی اپنی رپورٹیں پیش کرنی ہوں گی۔بس اسلئے دوڑا آیا کہ شاید آپ سے کچھ مدد مل جائے۔''

زغالی تھوڑی دیر تک اُسے غور سے دیکھتا رہا پھر بولا۔''لایئے.....وہ نشانات کہاں ہیں؟''

فریدی نے جیب سے ایک کارڈ نکال کر اسکی طرف بڑھا دیا جس پر دو نشانات کا عکس تھا۔

''یہ نشانات کہاں ملے تھے۔'' زغالی نے آہستہ سے پوچھا۔

''لڑکال جنگل میں۔'' فریدی نے جواب دیا۔

زغالی خاموشی سے نشانات کو دیکھتا رہا پھر ایک طویل سانس لے کر بولا۔''نہیں میں نے پنی زندگی میں کبھی ایسے نشانات نہیں دیکھے۔اگر اس قسم کا کوئی جانور لڑکال جنگل میں موجود ہے ؤ اس کا شکار بڑا دلچسپ رہے گا۔''

پھر حمید کیطرف دیکھ کر اس نے کہا۔''کرنل صاحب تو یقیناً اس جانور کی تلاش میں ہوں گے۔''

''میں نے آج ہی اُن سے اس کا تذکرہ کیا ہے۔'' فریدی نے کہا۔

زغالی نے سر جھکا لیا۔ اس کی پیشانی پر شکنیں تھیں۔ کمرے میں گہرا سکوت مسلط ہو گیا۔ لیمپ کی مدھم روشنی میں زغالی کا چہرہ بڑا بھیانک لگ رہا تھا۔

اچانک حمید بولا۔ ''مگر کرنل صاحب نے تو کہا تھا کہ تم ان نشانات کے متعلق کچھ بتا سکو گے۔''

''یہ کس بناء پر کہا تھا، انہوں نے۔'' زغالی نے سر اٹھا کر پوچھا۔ لیکن اب وہ ان میں سے کسی کے بھی چہرے کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا اور اس کی آنکھیں چہرے کی جھریائی ہوئی کھال میں ایسی ہی لگ رہی تھیں جیسے وہ کسی سالخوردہ مگر خونخوار گینڈے کی آنکھیں ہوں۔

''تم نے شاید کبھی اُن سے اس قسم کا تذکرہ کیا تھا۔ ایسے نشانات غالباً افریقہ میں کہیں تمہاری نظروں سے گذرے تھے۔''

''مجھے یاد نہیں کہ میں نے کبھی اس قسم کی گفتگو کی ہو۔ ویسے میں یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ کرنل غلط کہتے ہیں۔ اب دیکھئے نا میں کتنا بوڑھا ہوں اسی لئے بھلکڑ بھی ہو گیا ہوں۔ آپ سمجھتے ہیں نا۔''

''تو پھر..... گویا..... مجھے یہاں بھی ناکامی ہوئی۔'' فریدی بڑبڑایا۔

زغالی کچھ نہ بولا۔ بدستور سر جھکائے بیٹھا رہا۔

دفعتاً فریدی اٹھ گیا۔ ''اچھا تو میں نے ناحق آپ کو تکلیف دی۔''

''کوئی بات نہیں ہے جناب۔ میں کرنل صاحب اور اُن کے دوستوں کا خادم ہوں۔''

حمید اور رمیش بھی اٹھ گئے۔ صدر دروازے تک وہ خاموشی سے آئے پھر زغالی نے حمید سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ ''ہر خدمت کے لئے مجھے ہر وقت یاد رکھئے۔''

ان کے باہر نکلتے ہی دروازہ آواز کے ساتھ بند ہو گیا۔ وہ چل پڑے۔ فریدی ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بڑبڑا رہا تھا۔

گلی کے موڑ پر انہیں رک جانا پڑا کیونکہ گلی پتلی تھی اور دوسری طرف سے چار آدمیوں کا ایک جلوس اس گلی میں داخل ہو رہا تھا۔ چاروں ایک لائن میں تھے اور انہوں نے ایک بہت لمبا بنڈل اپنے کاندھوں پر سنبھال رکھا تھا۔

وہ اُن کے قریب ہی سے گذر گئے۔ فریدی رک گیا تھا۔ حمید نے آگے بڑھنا چاہا لیکن

اس نے اس کا ہاتھ دبا دیا۔

وہ چاروں آدمی زغالی کے مکان کے سامنے رک گئے تھے اور اب دروازے کی زنجیر ہلا رہے تھے۔

فریدی چند لمحے وہیں کھڑا رہا پھر گلی میں مڑ گیا۔

وہ سڑک پر نکل آئے۔ ٹھیک گلی کے سامنے ہی انہیں کار نظر آئی۔ فریدی رک گیا۔ کار خالی تھی۔ وہ چند لمحے کھڑا کچھ سوچتا رہا پھر سگار لائٹر جلا کر روشنی میں ڈیش بورڈ پر نظر ڈالنے لگا۔

اچانک اس نے مڑ کر حمید سے کہا۔ ''حمید اس کار کے نمبر نوٹ کرلو۔ غالباً انہیں لوگوں کی کار ہے جو ابھی گلی میں ملے تھے..... اور تم دونوں واپس جاؤ۔''

''کیا ہمیں کار چھوڑنی پڑے گی۔'' حمید نے پوچھا۔

''نہیں کار لے جاؤ۔'' فریدی نے کہا اور بڑی تیزی سے اسی گلی میں چلا گیا۔

''چلو مری جان.....!'' حمید رمیش کے شانے پر ہاتھ رکھ کر ایک طویل سانس لیتا ہوا بولا۔

''نمبر تو نوٹ کرلو۔''

''ہاں..... نمبر.....!'' حمید نے کہا اور دیا سلائی جلا کر کار کے نمبر دیکھے اور انہیں ذہن نشین کرتا ہوا سیدھا ہو گیا۔

''آؤ چلیں..... ذرا سی دیر میں میں بھی مرغوں کی طرح بانگ دینے لگوں گا۔ صبح تو ہو ہی رہی ہے۔''

وہ اپنی کار میں آ بیٹھے۔ حمید نے اس بار بھی رمیش ہی سے ڈرائیو کرنے کی استدعا کی۔ اس نے بہت دیر سے پائپ نہیں پیا تھا۔

سردی بے تحاشہ بڑھ گئی تھی۔ پائپ کے دو تین گہرے کش لینے کے بعد اس نے کچھ سکون محسوس کیا۔

''پتہ نہیں وہ چاروں کیا اٹھائے ہوئے تھے۔'' رمیش نے کہا۔

''یار جہنم میں ڈالو۔ ہمیں اس سے کیا کہ لقا کبوتر دم کیوں اٹھائے رہتا ہے۔ مگر تم کیا کرو۔ اس محکمے کی ملازمت ہی ایسی ہے۔ چوبیس گھنٹے سراغ رساں بنے رہئے۔''

''نہیں حمید بھائی.....وہ بنڈل عجیب تھا۔ اتنا لمبا بنڈل آخر اس میں تھا کیا۔''

''آئس کریم.....!''

رمیش خاموش ہوگیا.....کار سڑک پر دوڑتی رہی۔

صبح کے نو بجے تھے۔ دھوپ اچھی طرح پھیل چکی تھی۔ تنویر اپنی لائبریری میں بیٹھی اخبار دیکھ رہی تھی۔ وہ صبح کی چائے لائبریری ہی میں پیتی تھی۔ یہ اُس کا معمول تھا۔ چائے کے دوران میں اخبار دیکھتی رہتی۔ کھانا بھی تنہا ہی کھاتی۔ کم از کم اس کے بیٹے عدنان کو تو یاد نہیں تھا کہ کبھی وہ دونوں کھانے کی میز پر ساتھ بیٹھے ہوں۔ اُس کی کوٹھی میں آئے دن دعوتیں بھی ہوتی رہتی تھیں لیکن وہ کبھی مہمانوں کے ساتھ نہ بیٹھتی۔ میزبانی کے فرائض عدنان کو انجام دینے پڑتے۔ وہ تو اپنی ماں کو نیم دیوانی ہی سمجھتا تھا۔

تنویر اخبار ایک طرف میز پر پھینک کر کھڑی ہوگئی۔ وہ باہر ہی جا رہی تھی کہ ایک ملازم نے آ کر اس کو فون کال کی اطلاع دی۔

تنویر آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اس کمرے میں آئی جہاں فون تھا۔ اس نے لاپروائی سے ریسیور اٹھالیا اور نڈھال سی آواز میں ''ہیلو'' کہا۔

ذرا ہی سی دیر میں اس کے چہرے کی رنگت بدل گئی۔ دوسری طرف سے بولنے والا کوئی ایسی ہی بات کہہ رہا تھا۔ اس نے تھوڑی دیر بعد بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا ''کچھ اندازہ ہے تمہیں کہ یہ حرکت کس کی ہوسکتی ہے۔''

پھر وہ دوسری طرف سے بولنے والے کا جواب سنتی رہی۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس کا صحت مند چہرہ کسی پرانے مریض کا چہرہ معلوم ہونے لگا تھا۔

''ہوں.....اچھا.....!'' اس نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ ''تم بالکل پرواہ نہ کرو۔ میں دیکھوں گی۔ ویسے یہ میرا مشورہ ہے کہ تم اب وہاں سے ہٹ جاؤ۔ کیوں کیا خیال ہے۔''

جواب میں پھر کچھ کہا گیا اور تنویر سر ہلا کر بولی۔ ''جہاں بھی جاؤ مجھے اپنی جائے قیام سے

باخبر رکھنا.....اچھا..... ہاں دیکھو..... مجھے تم پر ہمیشہ سے اعتماد رہا ہے۔تم مرجاؤ گے لیکن کسی سے ایک لفظ بھی نہیں کہو گے۔اچھا.....!''

اُس نے ریسیور رکھ دیا۔ چند لمحے کھڑی کچھ سوچتی رہی پھر بیرونی برآمدے میں آ کر اُس نے سارے ملازمین کو اکٹھا کیا۔نجی دفتر کی کلرک لڑکیوں کو بھی وہیں بلوالیا۔

''تم سب.....!'' وہ انہیں مخاطب کر کے بولی۔''بیس منٹ کے اندر اندر کوٹھی خالی کر دو۔ یعنی آج چھ بجے شام تک کیلئے تم سبھوں کو چھٹی ہے۔ میں ہیڈ آفس فون کر رہی ہوں۔ وہاں سے آج کیلئے تمہیں تفریح الاؤنس ملے گا۔بیس منٹ کے اندر اندر یہاں سے چلے جاؤ۔''

پھر وہ انہیں وہیں چھوڑ کر اندر چلی آئی۔ ملازمین کی اس بھیڑ میں اس کے چاروں باڈی گارڈ شامل نہیں تھے۔

بیس منٹ کے اندر ہی اندر کوٹھی میں اُلو بولنے لگی۔نوکروں کو اس کے رویہ پر ذرہ برابر بھی حیرت نہیں ہوئی تھی۔ وہ اس قسم کی انہونی باتوں کے عادی ہو چکے تھے ان کا بھی یہی خیال تھا کہ تنویر ایک نیم دیوانی عورت ہے۔

کمپاؤنڈ کا پھاٹک تنویر نے خود اپنے ہاتھوں سے بند کیا۔چاروں باڈی گارڈ بھی متحیر نہیں تھے۔ اُن کی مجال نہیں تھی کہ وہ تنویر کے کسی کام میں دخل دے سکتے۔خاموشی سے یہ سب کچھ دیکھتے رہے۔آخر تنویر نے تھوڑی دیر بعد اُن چاروں کو طلب کیا۔

''تم کل اُسے لے کر وہاں کس وقت پہنچے تھے۔''

''شاید تین بجے تھے۔'' معمر آدمی نے جواب دیا۔

''کیا اُسے ہوش آ گیا تھا۔''

''جی نہیں.....وہ زغالی کے مکان پر پہنچ کر بھی بیہوش ہی رہے تھے۔''

''تمہاری موجودگی میں اُسے ہوش آ گیا تھا۔''

''نہیں محترمہ.....ہم زغالی کو سب کچھ سمجھا کر واپس آ گئے تھے۔''

''ہوں.....!'' وہ انہیں غور سے دیکھتی ہوئی سرد لہجے میں بولی۔''مگر اب عدنان وہاں نہیں ہے۔''

''میں نہیں سمجھا محترمہ.....!'' معمر آدمی نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''سمجھنے کی کوشش کرو۔'' تنویر آہستہ سے بولی۔ ''تمہارے وہاں پہنچنے سے تھوڑی ہی دیر قبل کیپٹن حمید وہاں دو آدمیوں کے ساتھ پہنچا تھا۔''

''وہ وہاں کس لئے گیا تھا۔'' معمر آدمی نے متحیرانہ لہجے میں پوچھا۔

''پتہ نہیں.....!'' تنویر نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دے کر کہا۔ ''بہرحال چار اور پانچ کے درمیان عدنان غائب ہوگیا جس کمرے میں اُسے رکھا گیا تھا اس کا قفل ٹوٹا ہوا ملا اور صدر دروازہ کھلا ہوا تھا۔ زغالی اُسے کمرے میں بند کر کے سو گیا تھا۔ اب تم بتاؤ کہ یہ حرکت کس کی ہوسکتی ہے۔''

''کیپٹن حمید وہاں کیوں گیا تھا۔'' معمر آدمی بڑبڑایا۔

''تو تمہارا خیال ہے کہ یہ حرکت انہیں لوگوں کی ہے۔''

''جی ہاں..... پھر ایسی صورت میں یہی کہا جاسکتا ہے۔ اسکے علاوہ اور کیا سمجھیں گے۔''

''میں نے اُسے وہاں کیوں بھجوایا تھا۔''

''تاکہ وہ فریدی تک نہ پہنچ سکیں۔''

''پھر.....!'' تنویر اُسے گھورنے لگی۔

''محترمہ آپ یقین کیجئے۔'' معمر آدمی بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ''ہم نے اُس کا تذکرہ کسی سے نہیں کیا تھا۔ ہمیں نہیں معلوم کہ اُن لوگوں کو کیسے خبر ہوگئی۔''

تنویر کچھ نہیں بولی۔ وہ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتی رہی پھر اُس نے کہا۔ ''اب ایک دوسری اسکیم ہے لیکن تم زیادہ محتاط رہو گے۔''

''فرمایئے محترمہ.....! ہم شاید اسی بار آپ کا کام صحیح طور پر انجام دے سکیں۔ ویسے آج کل شاید ہمارے ستارے ہی گردش میں ہیں جس کام میں ہاتھ لگاتے ہیں بگڑ جاتا ہے۔''

''پرواہ مت کرو..... اکثر ایسا بھی ہوتا ہے۔'' تنویر مسکرا کر بولی اور وہ چاروں بیساختہ چونک پڑے۔ انہوں نے اپنے ہوش میں پہلی بار تنویر کو مسکراتے دیکھا تھا۔

''میں فی الحال تمہیں اپنے ایک راز میں شریک کرنا چاہتی ہوں۔ مگر اس کی کیا ضمانت

ہے کہ وہ راز ہمیشہ تم چاروں ہی تک محدود رہے گا۔''

''ہماری وفاداری میں شبہ نہ کیجئے۔ ہم نے ہر موقع پر آپ کیلئے جان کی بازی لگائی ہے۔ ضمانت میں ہم صرف اپنی وفاداری ہی پیش کر سکتے ہیں کیونکہ وہ ہماری سب سے بڑی قسم ہے۔''

''اچھا تو آؤ ..... میں تمہیں عمارت کے اس حصے میں لے چلوں گی جہاں آج تک میرے علاوہ اور کوئی نہیں جا سکا۔''

''ہم اسے اپنی سرفرازی سمجھیں گے۔'' معمر آدمی نے قدرے جھک کر کہا۔

''تم کبھی کسی سے اس کا تذکرہ نہیں کرو گے۔''

''کبھی نہیں محترمہ..... آپ ہم پر اعتماد کیجئے۔''

''اچھا تو آؤ میرے ساتھ۔''

وہ اُس راہداری میں چل رہے تھے جس کے سرے پر وہ دروازہ تھا جس کی دوسری طرف کا حال تنویر کے علاوہ اور کسی کو نہیں معلوم تھا۔

تنویر نے دروازے کا قفل کھول کر دونوں پٹ کھول دیئے۔ کمرہ تاریک تھا۔

''چلو.....!'' تنویر ایک طرف ہٹتی ہوئی بولی۔ معمر آدمی سب کے آگے تھا۔ وہ کسی ہچکچاہٹ کے بغیر اندر چلا گیا۔ اُس کے ساتھیوں نے بھی اس کی تقلید کی۔ تنویر کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اُن چاروں کے بعد کمرے میں چلی جائے گی۔ مگر اُس کا رویہ خلاف توقع تھا۔ اُس نے دوسرے ہی لمحے میں دروازے کے پٹ کھینچ کر باہر سے بند کر لئے۔

''محترمہ.....!'' اندر سے آواز آئی۔ مگر تنویر قفل چڑھا چکی تھی۔

پھر اُس نے چیخ کر کہا۔ ''مُدونگا تیرے شکار۔ تیری بہت پرانی خواہش پوری ہو گئی۔ آدمی کا گوشت۔''

''محترمہ..... محترمہ.....!'' چاروں بیک وقت چیخے اور پھر اچانک ان کے حلق سے عجیب قسم کی آوازیں نکلنے لگیں۔

''بچاؤ..... بچاؤ۔'' کے شور کے ساتھ ہی ریلوے انجن کی سیٹیاں بھی گونج رہی تھیں۔

''محترمہ..... تنویر.....!''

''تنویر.....حرامزادی.....کتیا۔''

''اوتنویر.....سُور کی بچی۔''

''ذلیل کمینی.....دروازہ کھولو۔''

باہر تنویر کے ہونٹوں پر ایک سفاک سی مسکراہٹ تھی اور آنکھیں کسی بھوکے سانپ کی آنکھوں کی طرح چمک رہی تھیں۔

فریدی صبح ہی سے بہت زیادہ متفکر تھا۔ آج صبح اس کے چار بہترین کتے پراسرار طور پر مردہ پائے گئے تھے۔ چاروں رکھوالی کرنے والے السیشن تھے۔

علامات سے فریدی اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ موت زہر سے واقع ہوئی تھی اور یہ کوئی ایسی بات نہیں تھی جسے حیرت انگیز کہا جاسکتا۔ کوئی بھی باہر سے گوشت کے چند زہریلے ٹکڑے کمپاؤنڈ میں پھینک کر ان کی جانیں لے سکتا تھا۔

دو ٹکڑے ملے بھی تھے اور فریدی نے انہیں کیمیاوی تجزیئے کے لئے بھجوا دیا تھا ویسے حمید کا بیان تھا کہ ساڑھے چار بجے جب اس کی واپسی ہوئی تھی کتے زندہ تھے۔

فریدی نے میز پر رکھی ہوئی گھنٹی بجائی۔ ایک ملازم اندر داخل ہوا۔

''حمید کو بھیج دو۔'' فریدی نے کہا۔ ملازم چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد حمید دروازے میں نظر آیا۔

''تم نے کیا کیا؟'' فریدی نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

''معاملہ بالکل گول ہے۔ کوتوالی سے معلوم ہوا کہ فقیر کی لاش سول ہسپتال روانہ کردی گئی تھی اور سول ہسپتال والے کہتے ہیں کہ وہ طلباء کی مشق کے لئے میڈیکل کالج بھیج دی گئی تھی۔''

''میڈیکل کالج والے کیا کہتے ہیں۔'' فریدی نے پوچھا۔

''میڈیکل کالج والے کہتے ہیں کہ اس تاریخ کو تین لاوارث لاشیں انہیں موصول ہوئی تھیں اور اب یہ بتانا مشکل ہے کہ کس کے ٹکڑے کہاں دفن کئے گئے تھے۔ مگر ایک بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔ سول ہسپتال کا رجسٹر بتاتا ہے کہ اس تاریخ کو وہاں سے چار لاشیں میڈیکل

بھیجی گئی تھیں مگر میڈیکل کالج کے رجسٹر میں صرف تین لاشوں کی وصولیابی درج ہے۔"

"اوہ....." فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

"مگر اب آپ اُس لاش کے چکر میں کیوں پڑ گئے ہیں۔ یہ تو ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ سعید بابر کے ایک ہمشکل کی لاش صدر میں پائی گئی تھی۔"

"یہ کھلی ہوئی حقیقت میری آنکھوں کے سامنے ہے۔"

"پھر.....!" حمید نے اُسے جواب طلب نظروں سے دیکھا۔

"کچھ نہیں..... میں فی الحال کچھ اور سوچ رہا ہوں۔ ویسے یہ ضروری نہیں کہ وہ آدمی سعید بابر کا بھائی ہی رہا ہو۔"

"اگر رہا بھی تو اب کیا ہوسکتا ہے۔" حمید جھنجھلا گیا۔

"اس مسئلے کو یہیں چھوڑ دو.....!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "فی الحال میں زغالی میں بہت زیادہ دلچسپی لے رہا ہوں۔ تم نے پچھلی رات کیا محسوس کیا تھا۔"

"یہی کہ وہ ان نشانات کے متعلق کچھ جانتا ہے لیکن بتانا نہیں چاہتا۔"

"ٹھیک ہے.....لڑکال جنگل کے نام پر اُسے کتنی حیرت ہوئی تھی..... یاد ہے۔"

"جی ہاں..... مجھے یاد ہے۔ لڑکال جنگل کا نام سن کر وہ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا تھا۔"

"اچھا خیر..... چھوڑو..... مجھے اطلاع ملی ہے کہ زغالی آج ہی صبح کو بالی کیمپ والی بستی سے ہٹ گیا ہے۔ اس وقت وہ راجن پورے کی شاپور بلڈنگ کے ساتویں فلیٹ میں ہے۔ میری بلیک فورس کے کچھ آدمی تو دیکھ بھال کر ہی رہے ہیں لیکن تم بھی خیال رکھنا اور یہ بھی دیکھنا ہے کہ وہ بالی کیمپ سے کیوں ہٹا ہے۔"

پُراسرار سایہ

حمید خاموشی سے سنتا رہا۔ پھر فریدی بھی خاموش ہوگیا۔

"ایک بات مجھے سمجھائیے۔" حمید نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ "دلسلی براؤن آپکی موجودگی ہی میں ہائی سرکل نائٹ کلب سے غائب ہوگئی تھی۔ لیکن آپ نے اُسکی ذرہ برابر بھی پرواہ نہیں کی۔"

''غیر ضروری چیزوں کی پرواہ مجھے کبھی نہیں ہوتی۔''

''حالانکہ آپ پہلے ہی سے اسکی ٹوہ میں رہے تھے کہ حمید اُسے کب اپنے ساتھ لے جاتا ہے۔''

''ہاں! ہاں.....تو کیا ہوا۔''

''خط استوا خط سرطان میں گھس گیا۔'' حمید جھلاہٹ میں ناچتا ہوا بولا۔ ''میں پاگل ہو جاؤنگا۔''

''اللہ کی مرضی.....!'' فریدی نے ایک طویل سانس لی اور مغموم لہجے میں بولا۔ ''مگر اس صورت میں بھی تم میری نگرانی میں رہو گے۔ پاگل خانوں میں آج کل بڑی بدنظمی رہتی ہے۔''

''قبر میں بھی ہم دونوں لیٹ کر ہی سوئیں گے اور آپ وہاں بھی فاؤل چلائیں گے..... مجھے یقین ہے۔''

''خیر اب کام کی باتیں کرو.....!''

''میں کبھی بیکار باتیں نہیں کرتا۔''

''کل رات تم نے اس کار کا نمبر نوٹ کیا تھا۔''

''جی ہاں کیا تھا.....!''

''مجھے دو۔''

حمید نے جیب سے نوٹ بک نکالی۔ اُس سے وہ ورق پھاڑا جس پر کار کے نمبر تحریر تھے اور اُسے فریدی کے سامنے ڈالتا ہوا بولا۔ ''آپ وہاں کیوں رکے تھے۔''

''اب تمہیں اس کی پرواہ نہیں ہونی چاہئے کیونکہ میں وہاں سے صحیح وسلامت واپس آ گیا ہوں۔''

''کوئی بات نہیں ہے۔ میں زغالی ہی سے پوچھ لوں گا۔ مگر ایک بات تو صرف آپ ہی بتا سکیں گے۔''

''پوچھو.....!''

''اس کیس کے سر پیر کا بھی کہیں پتہ ہے۔ بات سعید بابر کے بھائی سے شروع ہوئی تھی۔ سعید بابر پر حملہ..... اُس کے کمپاؤنڈ میں عجیب وغریب نشانات کا پایا جانا۔ لسلی براؤن کا کیس آپ پر ایک کتے کا حملہ۔ مگر اس کے متعلق وثوق سے نہیں کہا جا سکتا کہ اس کا تعلق بھی اسی کیس سے ہے پھر لسلی براؤن نقلی کا غائب ہو جانا۔''

''پھر تمہارا اور میجر داراب کا عشق.....!'' فریدی مسکرا کر بولا۔

''اس کی تو میں ہڈیاں توڑے بغیر نہیں رہوں گا۔''

''کیا تمہیں اب بھی اُس کی قوت کا صحیح اندازہ نہیں ہوا۔''

''ٹریگر کو انگلی سے کھینچتے وقت زیادہ قوت نہیں صرف ہوتی۔'' حمید نے لاپرواہی سے کہا۔

''اور پھانسی کا پھندا گلے میں پڑ جانے کے بعد تو کسی بات کا ہوش ہی نہیں رہتا۔'' فریدی نے کہا۔

''پھانسی.....!'' حمید نے بُرا سامنہ بنا کر کہا۔''شاید پھانسی کا خوف بھی مجھے اس سے باز نہ رکھ سکے۔''

''نہیں! تم فی الحال ایسا نہیں کرسکتے۔ میرا کھیل بگڑ جائے گا۔''

''تو کیا وہ بھی اس کیس میں کہیں نہ کہیں موجود ہے۔'' حمید نے پوچھا۔

''بہت زیادہ حمید صاحب۔''

''آہا.....تب تو.....!''

''نہیں ٹھہرو..... یہ میرا شبہ ہے۔فی الحال ہم اس کے خلاف کوئی قانونی کاروائی نہیں کرسکتے۔''

''مجھے نہیں یاد پڑتا کہ کبھی آپ کا شبہ غلط نکلا۔''

''یہ اور بات ہے، لیکن مکمل شہادت فراہم کئے بغیر میں کوئی عملی قدم نہیں اٹھاتا۔''

حمید خاموش ہوگیا۔ فریدی نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

''ویسے مجھے یقین ہے کہ تمہیں میجر داراب کی ہڈیاں توڑنے کا موقع ضرور نصیب ہوگا۔ فی الحال تم زغالی پر نظر رکھو۔''

''آخر آپ اُس بیچارے کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں۔'' حمید نے کہا۔''وہ تو انتہائی برخوردار قسم کا آدمی معلوم ہوتا ہے۔''

''تم اُسے نہیں جانتے۔ وہ انتہائی خطرناک آدمی ہے۔ بہت عرصہ سے ہمارے یہاں مقیم ہے اس لئے اب اُس میں تہذیب کے بھی کچھ آثار پائے جانے لگے ہیں ورنہ پہلے کبھی وہ

ایک کنکھنے کتے کی طرح لوگوں پر جھپٹ پڑتا تھا۔ تہذیب نے اُسے مکاری بھی سکھا دی ہے۔ اچھا بس اب جاؤ۔ اس کی نگرانی بہت ضروری ہے۔ تم اگر بھول چوک بھی گئے تو پرواہ نہ کرنا۔ بہر حال مجرموں کو اس کا علم ہو جانا چاہئے کہ تم زغالی کی نگرانی کر رہے ہو۔"

اس سے کیا فائدہ ہوگا۔"

"اب یہ بات مجرموں کی نظر سے پوشیدہ نہیں رہی کہ ہم زغالی میں دلچسپی لیتے رہے ہیں۔"

"تو کیا آپ کو یقین ہے کہ زغالی بھی مجرموں کا ساتھی ہے۔"

"ہاں کسی حد تک..... بہر حال اب جاؤ حمید..... فضول وقت نہ برباد کرو۔"

حمید چلا گیا۔ فریدی تھوڑی دیر تک کمرے میں ٹہلتا رہا۔ پھر اُس نے فون کا ریسیور اٹھا کر کوتوالی کے نمبر ڈائیل کئے۔

"ہیلو.....!" اُس نے کہا۔ انسپکٹر جگدیش کی آواز سنائی دی۔

"ایک منٹ توقف کیجئے۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

پھر جلد ہی دوسری طرف سے جگدیش کی آواز سنائی دی۔

"ہیلو.....! جگدیش میں فریدی ہوں۔ ذرا دیکھو تو آج کسی مسز تنویر نے کوئی رپورٹ تو نہیں درج کرائی ہے۔"

"اوہ جناب! اُس عورت نے تو پوری کوتوالی کو ہلا کر رکھ دیا ہے مگر آپ..... کیا قصہ ہے۔"

"رپورٹ کیا ہے جگدیش.....!"

"کل رات سے اس کا لڑکا عدنان اور اُس کے چاروں باڈی گارڈ غائب ہیں۔ اس کا خیال ہے باڈی گارڈوں نے اُسے اغوا کیا ہے اور اب وہ تنویر سے کسی بھاری رقم کا مطالبہ کریں گے۔ اُس نے اپنے لڑکے اور باڈی گارڈز کی تصویریں بھی دیں ہیں۔ آپ کو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ یہ شہر کے چار بدمعاشوں کی تصویریں ہیں کئی بار کے سزایاب بدمعاش.....!"

"اوہ..... ذرا مجھے بھی تو ان کے نام بتاؤ۔"

جگدیش نام بتاتا رہا اور فریدی ایک کاغذ پر نوٹ کرتا گیا۔ پھر اس نے کہا۔ "یہ لوگ تو واقعی اُس سے کسی بڑی رقم کا مطالبہ کر سکتے ہیں۔"

''مگر.....!'' جگدیش نے کہا۔ ''تنویر کے انداز سے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے وہ انہیں ایک پائی بھی نہ دے گی خواہ اُسے اپنے بیٹے ہی سے کیوں نہ ہاتھ دھونے پڑیں۔ بڑی شاندار عورت ہے جناب.....ایس۔پی صاحب اُس سے.....!''

''ہیلو.....!''

''جی ہاں.....!'' جگدیش ہنستا ہوا بولا۔ ''میں ادھر اُدھر دیکھنے لگا تھا کہ کہیں کوئی سن تو نہیں رہا ہے۔ ایس۔پی صاحب اُس سے گفتگو کرتے وقت ہکلا رہے تھے۔ بڑی شاندار عورت ہے۔ عمر چالیس اور پچاس کے درمیان ہوگی۔ مگر صحت بڑی شاندار ہے۔ بڑا شاندار جسم ہے۔''

''سب کچھ شاندار.....!'' فریدی نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

''اوہ.....کیا آپ اُس سے کبھی نہیں ملے۔''

''نہیں.....صرف نام سنتا رہا ہوں۔''

''ضرور ملئے جناب.....آپ اُسے بے حد پسند کریں گے۔''

''ہاں.....پسند ہی کرنے کے لئے میں اس سے ضرور ملوں گا۔ تم مطمئن رہو۔''

''میں کیا بتاؤں.....میں تو اُس سے آنکھیں ملا کر گفتگو نہیں کر سکا۔'' جگدیش بولا۔ لیکن فریدی نے بُرا سا منہ بنا کر سلسلہ منقطع کر دیا۔

اب وہ پھر کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ اس کی پیشانی پر لکیریں ابھر آئی تھیں۔ ایک بار اُس نے پھر ریسیور اٹھایا اور اپنے ڈی۔آئی۔جی کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔ ڈی۔آئی۔جی گھر ہی پر موجود تھا۔ فریدی نے اُس سے تنویر کی رپورٹ کے متعلق بتا کر استدعا کی کہ وہ تنویر والا کیس اپنے محکمے میں ٹرانسفر کرا لے۔

''ابھی یہ کیسے ممکن ہے۔'' ڈی۔آئی۔جی نے کہا۔

''یہ بہت ضروری ہے جناب۔ براہِ راست میری زندگی اور موت کا سوال ہے۔''

''کیوں.....میں نہیں سمجھا۔''

''مجھ پر ایک زہریلے کتے نے حملہ کیا تھا۔ بعض حالات کو مدِنظر رکھتے ہوئے میں یہ نہیں سوچ سکتا کہ وہ محض اتفاق تھا۔''

''ہاں..... حالات سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے۔ کسی موٹر سائیکل سوار نے تمہارا راستہ روکنے کی کوشش کی تھی۔''

''جی ہاں..... اور اس سازش کی جڑیں تنویر کی موجودہ رپورٹ میں ملتی ہیں۔ میں نے یہی اندازہ کیا ہے۔''

''اوہو..... کیا قصہ ہے۔!''

''قصہ تو ابھی خود میرے ذہن میں بھی صاف نہیں ہے لیکن آپ مجھ پر اعتماد کیجئے۔''

''اچھا میں کیس منتقل کرالوں گا۔ تم مطمئن رہو۔''

''آج ہی جناب۔''

''اچھا بابا..... ایک طرف تم کان کھا رہے ہو اور دوسری طرف میرا نواسا۔''

''میں بھی تو آپ کا بچہ ہوں آخر۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔

''مگر ضدی..... بچے..... اچھا..... اور کچھ.....!''

''نہیں جناب..... بس اتنا ہی شکریہ۔''

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو جانے پر فریدی نے بھی ریسیور رکھ دیا۔ لیکن ریسیور رکھتے ہی گھنٹی بجی۔

''ہیلو.....!'' اس نے دوبارہ ریسیور اٹھالیا۔

''میں ریکھا بول رہی ہوں۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔ ''آپ کی طبیعت اب کیسی ہے۔''

''ٹھیک ہوں۔''

''زخم..... کیسے ہیں۔''

''اب زیادہ تکلیف نہیں ہے۔''

''مجھے بڑی بے چینی ہے۔''

''کیوں.....!''

''وہ دیکھئے..... میں سوچتی ہوں..... آپ کے زخموں میں تکلیف ہوگی اور مجھے نیند نہیں آتی۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے وہ زخم میری کلائی پر ہوں۔''

''بڑی عجیب بات ہے۔'' فریدی کے ہونٹوں پر ایک شرارت آمیز مسکراہٹ پھیل گئی۔

''یقیناً وہ کتا کوئی خبیث روح تھی۔ تب ہی تو تم ایسا محسوس کر رہی ہو۔''

''میرا مطلب ہے۔''

''کیا مطلب ہے۔''

''وہ..... وہ..... دیکھئے..... خدا کرے آپ جلدی سے اچھے ہو جائیں۔ کیا میں آپ کو دیکھنے کے لئے آ سکتی ہوں۔ میں نے سنا ہے کہ آپ آج کل کسی سے نہیں ملتے۔''

''ہاں یہ ٹھیک ہے۔ میری ذہنی حالت اچھی نہیں ہے۔ زہر کا اثر کچھ نہ کچھ ذہن پر بھی ہوا ہے۔ کبھی کبھی بُری طرح بہک جاتا ہوں۔''

''خدا رحم کرے۔''

''اور کچھ.....!'' فریدی نے پوچھا۔

''جی نہیں..... بس خدا کرے آپ جلد اچھے ہو جائیں۔''

''شکریہ.....!'' فریدی نے کہا اور بُرا سا منہ بنا کر فون رکھ دیا۔

اُسے بعض اوقات اپنے محکمے پر غصہ آنے لگتا۔ خواہ مخواہ ایک لیڈی انسپکٹر بھی مہیا کر لی حالانکہ اس کی قطعی کوئی ضرورت نہیں تھی۔

وہ سگار سلگا کر ایک آرام کرسی میں نیم دراز ہو گیا۔

بمشکل تمام دو یا تین منٹ گذرے ہوں گے کہ فون کی گھنٹی پھر بجی۔ فریدی نے اٹھ کر ریسیور اٹھایا۔ دوسری طرف سے حمید کی آواز سنائی دی۔

''میں نگرانی کر رہا ہوں جناب۔''

''وہ تو مجھے معلوم تھا۔ اتنی سی بات کے لئے فون کرنے کی کیا ضرورت تھی۔'' فریدی نے جھلائی ہوئی آواز میں کہا۔

''میں یہ پوچھتا ہوں کہ اگر وہ میرے سوالات کا جواب نہ دے تو میں کیا کروں۔''

''سوالات کرنے کو تم سے کس نے کہا تھا۔'' فریدی کی آواز تیز ہو گئی۔

''میں اُس سے صرف ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں۔''

"تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا۔ بکواس کئے جا رہے ہو۔"

"اچھا جناب.....!" حمید نے مردہ سی آواز میں کہا۔ "میں تو اُس سے صرف یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ تیری کھوپڑی میں سوراخ ہو گیا مگر وہ میری بات کا جواب ہی نہیں دیتا۔ اس سے یہی سوال کرنے کے لئے بے شمار آدمی اکٹھا ہو گئے ہیں۔"

"اوہ.....تو زغالی قتل کر دیا گیا۔"

"جناب والا.....!"

"فوراً واپس آ جاؤ.....اب وہاں تمہاری ضرورت نہیں ہے۔"

"کیا میں یہ نہ معلوم کروں کہ اس کا قتل کن حالات میں ہوا۔"

"نہیں..... مجھے رپورٹ مل جائے گی۔ تم واپس آ جاؤ۔"

فریدی نے ریسیور رکھ کر بجھا ہوا سگار سلگایا اور پھر کمرے میں ٹہلنے لگا۔ لیکن اس کے چہرے پر تشویش کے آثار نہیں تھے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُسے پہلے ہی سے علم رہا ہو کہ زغالی مار ڈالا جائے گا۔"

جلد ہی پھر فون کی گھنٹی بجی۔ فریدی نے ریسیور اٹھا لیا۔ لیکن اس بار وہ ایک عجیب و غریب زبان میں گفتگو کر رہا تھا، بس ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کی زبان ہل نہیں رہی ہے بلکہ کنکروں اور پتھر کے ٹکڑوں پر سڑک کوٹنے والا انجن چل رہا ہو۔ یہ سلسلہ کافی دیر تک جاری رہا۔ کبھی کبھی وہ خاموش ہو کر دوسری طرف سے بولنے والے کی بات سننے لگتا تھا۔ اس کے چہرے پر اب پھر گہرے تفکر کے آثار نظر آنے لگے تھے۔

ریسیور رکھتے وقت اُس نے ایک طویل سانس لی اور دروازے کی طرف مڑا۔ حمید بڑی دیر سے دروازے میں خاموش کھڑا اُسے حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

"کیا میں ڈاکٹر کو بلاؤں۔" حمید نے گھبرائے ہوئے لہجے میں پوچھا اور فریدی ہنس پڑا۔ حمید نے کچھ ایسے انداز میں یہ جملہ کہا تھا کہ اُسے جیسے فریدی کے صحیح الدماغ ہونے میں شبہ ہو۔

"بیٹھو.....!" فریدی نے کرسی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "میں تمہیں بتاؤں کہ اُس کی موت کیسے واقع ہوئی۔"

حمید بیٹھ گیا۔ فریدی چند لمحے خاموش ہوکر بولا۔ ''ایک طویل قامت برقعہ پوش عورت شاپور بلڈنگ کے ساتویں فلیٹ کے سامنے رکی۔ فلیٹ کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اس نے سائیلنسر لگا ہوا ریوالور نکالا اور پھر بقول تمہارے زغالی کی کھوپڑی میں سوراخ ہوگیا۔ شاپور بلڈنگ میں دونوں طرف زینے ہیں اور ساتواں فلیٹ دوسری منزل پر ہے۔ نیچے سے سامنے کے فلیٹوں کے دروازے دکھائی دیتے ہیں۔ ہاں تو زغالی کو ختم کرنے کے بعد وہ پچھلے زینوں سے نیچے اُتر گئی اور جاتے وقت اپنا برقعہ زینوں ہی پر پھینک گئی تھی۔''

''تب تو وہ گرفتار بھی ہوچکی ہوگی۔''

''کیوں.....نہیں تو.....وہ نکل گئی۔''

''اور آپکی بلیک فورس کے جیالے منہ دیکھتے کر رہ گئے۔'' حمید نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''نہیں وہ بیچارے کچھ سمجھ ہی نہیں سکے تھے۔ وہ تو تھوڑی دیر بعد ہلڑ ہونے پر انہیں قتل کا علم ہوا۔ ورنہ یہ حقیقت ہے کہ وہ گرفتار کرلی گئی ہوتی۔ فلیٹ کا دروازہ پہلے ہی سے کھلا ہوا تھا کسی پڑوسی کی نظر لاش پر پڑگئی اور اس نے ہسٹریا کی مریض کی طرح چیخنا شروع کردیا۔ بلیک فورس والے نیچے تھے اور اس فلیٹ کی نگرانی کررہے تھے۔ بہرحال اُس آدمی کی چیخیں سن کر ہی وہ اُس کی طرف متوجہ ہوئے۔''

''تب پھر آپ وثوق سے کیسے کہہ سکتے ہیں کہ وہ کوئی عورت ہی تھی۔ برقعہ میں مرد بھی تو ہوسکتا ہے۔''

''برقعے کے ساتھ عورت ہی کا تصور پیدا ہوتا ہے۔ ویسے یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ عورت ہی تھی۔ بہرحال بلیک فورس حرکت میں آ گئی ہے۔''

''زغالی کیوں مارا گیا.....؟'' حمید نے پوچھا۔

''زغالی.....!'' فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ''کئی وجوہات ہوسکتی ہیں جن میں سے ایک وجہ یہ بھی ہے کہ زغالی اُن نشانات کے متعلق کچھ نہ کچھ ضرور جانتا تھا۔ خیر ختم کرو۔ بالی کیمپ کے بیشمار لوگ آج چین کی نیند سوئیں گے۔ زغالی ایسا ہی آدمی تھا۔ میرا خیال ہے کہ اگر سرکاری طور پر اُس کی لاش دفن نہ کی گئی تو جنازہ یونہی پڑا رہ جائے گا۔ کیونکہ اس کے ساتھی اُس

سے صرف ڈرتے تھے۔ انہیں اُس سے محبت نہیں تھی۔''

فریدی تھوڑی دیر کیلئے خاموش ہو گیا۔ پھر اٹھتا ہوا بولا۔ ''میں صبح سے صرف دوسروں کی کالز ریسیور کرتا رہا ہوں۔ اب ایک فون میں بھی کروں گا۔'' اُس نے کسی کے نمبر ڈائیل کئے۔

''ہیلو.....کون سعید بابر صاحب۔ میں فریدی ہوں۔'' فریدی کے لہجے میں گھبراہٹ تھی۔

''بھاگئے.....جتنی جلد ممکن ہو سکے.....وہ عمارت چھوڑ دیجئے۔ آپ بہت بڑے خطرے میں ہیں۔'' پھر کسی جواب کا انتظار کئے بغیر فریدی نے ریسیور رکھ دیا۔

''کیا مطلب.....!'' حمید بوکھلا کر کھڑا ہو گیا۔

''بیٹھو.....بیٹھو.....اس کی فکر نہ کرو۔''

''آپ مجھے کچھ نہیں بتائیں گے۔''

فریدی نے آرام کرسی کی پشت گاہ سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کرلیں۔

حمید سارا دن گھر میں رہا۔ آج اتوار تھا اور دوپہر ہی سے مطلع ابر آلود ہو گیا تھا اس لئے وہ باہر نہیں گیا۔

وہ دن بھر فریدی کو فون کرتے یا کالیں ریسیو کرتے دیکھتا رہا۔ حمید کے مکرر استفسار پر اُس نے اتنا ہی کہا کہ وہ بستر مرگ پر بھی کام کر سکتا ہے۔

شام کو اُس نے خاص طور پر نوکروں کو ہدایت دی کہ کوئی کتا کھلا نہ چھوڑا جائے۔ حمید کو اس پر بھی حیرت ہوئی لیکن اب اُس نے کچھ نہ پوچھنے کی قسم کھالی تھی۔

ایک بار جب فریدی لیبارٹری میں تھا۔ حمید نے اس کی ایک کال ریسیو کی۔ دوسری طرف سے بولنے والی کوئی عورت تھی۔ یہ بات ذرا دیر میں سمجھ آئی کہ بولنے والی لیڈی انسپکٹر ریکھا کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتی۔

''فریدی صاحب کا انتقال ہو گیا۔'' حمید نے بڑی دردناک آواز میں کہا۔

''نہیں.....!'' ریکھا اتنے زور سے چیخی کہ ریسیور جھنجھنا اٹھا۔

''یہاں کفن دفن کا انتظام ہو رہا ہے لیکن انہوں نے مرتے وقت کہا تھا کہ ریکھا کو میرے ساتھ ہی دفن کرنا۔''

''بڑے کمینے ہیں آپ۔'' ریکھا جھلا گئی۔ ''اس قسم کے فضول مذاق کرتے ہوئے آپ کو شرم نہیں آتی۔ بتایئے فریدی صاحب کیسے ہیں۔''

''بس ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے سو رہے ہوں۔ عرصہ سے اس قسم کی بارونق لاش دیکھنے کی تمنا تھی۔''

''شٹ اپ.....!'' ریکھا حلق کے بل چیخی اور سلسلہ منقطع کر دیا۔

پھر اندھیرا پھیلنے لگا۔ سورج غروب ہو چکا تھا اور آسمان اَبر آلود ہونے کی وجہ سے فضا تاروں کی روشنی سے بھی محروم ہو گئی تھی۔

نوکروں کے لئے فریدی کا سخت آرڈر تھا کہ وہ رات کے کسی بھی حصے میں اپنے کوارٹروں سے باہر قدم نہ نکالیں، خواہ کچھ بھی ہو جائے۔ پھر کچھ سوچ کر اس نے صرف ایک کتا کمپاؤنڈ میں کھلا رہنے دیا۔

''اور اب ..... ہم لوگ۔'' اُس نے حمید سے کہا۔ ''یہ رات مختلف قسم کی تفریحات میں بسر کریں گے۔ اگر تم سونا چاہتے ہو تو یہیں ایک آرام کرسی پر سو بھی سکتے ہو۔''

وہ اوپری منزل کے ایک کمرے میں تھے۔ جس کی کھڑکیاں عقبی پارک کی طرف کھلتی تھیں اور یہ اسلحہ کا کمرہ تھا۔

حمید نے ان سارے انتظامات کے متعلق کچھ نہیں پوچھا۔ وہ پکچر پوسٹ اور فوٹو پلے پن آپ کے بہت رسائل اٹھا لایا تھا اور اب ان کی ورق گردانی کرنے لگا۔ سارے نوکر کوارٹروں میں تھے۔ اس لئے اس کمرے میں اسٹو جل رہا تھا اور اس پر کافی کا پانی چڑھا ہوا تھا۔

تقریباً گیارہ بجے فریدی نے کمرے کی روشنی گل کر دی اور حمید میز پر رسالہ پٹختا ہوا بڑبڑایا۔ ''یہاں تو مچھر بھی نہیں ہیں کہ اندھیرے میں ان کی سارنگی ہی سے دل بہلتا۔''

''توقع ہے کہ دل بہلنے کا کچھ نہ کچھ سامان مہیا ہی ہو جائے۔'' فریدی بولا۔

لیکن حمید نے اب بھی کچھ نہیں پوچھا۔ اُس نے آنکھیں بند کر لیں لیکن ایسے میں نیند کہاں۔ کچھ بھی ہو۔ فریدی اپنا وقت برباد نہیں کرتا تھا۔ اب تمام تیاریوں کا کچھ نہ کچھ مقصد ضرور تھا۔

پتہ نہیں وہ کب تک آنکھیں بند کئے آرام کرسی کی پشت گاہ سے ٹکا رہا پھر اچانک وہ چونک پڑا۔ کیونکہ فریدی اُس کا داہنا شانہ دبا رہا تھا۔

''ادھر.....وہ دیکھو.....عقبی پارک کی دیوار پر.....سامنے.....!'' اُس نے آہستہ سے کہا۔

کافی گہرا اندھیرا تھا۔ لیکن دیوار کے دھندلے سے آثار تو نظر ہی آرہے تھے۔ حمید نے دیوار پر ایک گول مٹول سا سایہ دیکھا اور پھر اُس سائے نے زمین پر چھلانگ لگائی۔ ساتھ ہی ایک تیز قسم کی غراہٹ سنائی دی اور وہ کسی کتے ہی کی غراہٹ تھی۔

''یہ میرے کسی کتے کی آواز نہیں ہوسکتی۔'' فریدی نے کہا اور میز پر پڑی ہوئی رائفل اٹھالی مگر نیچے زمین پر جھاڑیوں اور درختوں کی وجہ سے گہری تاریکی تھی۔

اچانک ایسا معلوم ہوا جیسے دو کتے آپس میں لڑ پڑے ہوں۔ مگر آواز صرف ایک ہی کی سنائی دے رہی تھی اور فریدی برابر یہ کہے جارہا تھا کہ وہ اس کے کسی کتے کی آواز نہیں ہے.....پھر.....ایک بڑی لمبی آواز سنائی دی اور سناٹا چھا گیا۔ ایسا معلوم ہوا جیسے وہ کتے کی آخری چیخ رہی ہو۔

بڑا سا گول مٹول سایہ اب درختوں کے نیچے سے نکل کر کھلے میں آگیا تھا۔ اچانک فریدی کی رائفل سے ایک شعلہ نکلا اور وہ دس پندرہ فٹ اوپر اچھل گیا۔ مگر اس کے بعد پھر کچھ نہ معلوم ہوسکا کہ وہ کہاں گیا۔

''افسوس.....!'' فریدی کی بھرائی ہوئی آواز کمرے میں گونجی اور حمید کی نظر پارک کی دیوار کی طرف اٹھ گئی۔ گول مٹول سایہ گویا اڑتا ہوا دیوار پار کررہا تھا۔ فریدی نے پھر فائر کیا۔ مگر اس فائر کا انجام نہ معلوم ہوسکا۔

دوسرے ہی لمحے میں فریدی حمید کو کھینچتا ہوا زینے طے کررہا تھا۔ وہ عقبی پارک میں پہنچ گئے۔ ٹارچ کی روشنی اندھیرے میں آڑی ترچھی لکیریں بنارہی تھی۔

حمید کے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ دوسرا کتا سیاہ رنگ کا تھا اور اس کے سر پر سفید دھاریاں تھیں جسم گرے ہاؤنڈ کا سا تھا۔

کسی نے اس کی دونوں پچھلی ٹانگیں چیر دی تھیں۔

قاسم اور سایہ

فریدی دیوار کی طرف جھپٹا۔ حمید بھی اس کے ساتھ ہی آگے بڑھ گیا۔ دوسرے ہی لمحے میں فریدی کے منہ سے ایک تحیر آمیز آواز نکلی وہ ٹارچ کی روشنی میں جھکا ہوا زمین پر کچھ دیکھ رہا تھا۔

"حمید.....!" دفعتاً اس نے سر اٹھا کر کہا۔ "یہ تو ویسے ہی نشانات ہیں۔"

حمید بھی جھک پڑا۔ یہ وہی حیرت انگیز نشانات تھے جو سعید بابر کی کوٹھی کی کمپاؤنڈ میں پائے گئے تھے اور جن کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لئے فریدی نے زغالی سے مدد لینے کی کوشش کی تھی۔

دیوار کے نیچے نرم زمین تھی۔ اس لئے نشانات بہت زیادہ واضح تھے۔

"میرے خدا.....!" حمید بڑبڑایا۔ "وہ کیا بلا تھی۔ میں نے اُسے اڑتے دیکھا تھا۔ وہ دیوار سے دو یا تین گز بلند تھا۔"

"افسوس ہے کہ میرے دونوں فائر خالی گئے۔"

"جب وہ دیوار سے زمین پر آئی تھی۔" حمید نے کہا۔ "کیا وہ لڑھکتی ہوئی ایک بہت بڑی گیند نہیں معلوم ہو رہی تھی۔"

حمید کو توقع تھی کہ اب فریدی بھاگ کر دیوار کی پشت پر جائے گا۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔ وہ عمارت کی طرف چل پڑا۔

"ایسے ہی کسی کتے نے آپ پر حملہ کیا تھا۔" حمید نے پوچھا۔

"ہاں..... یہ لاش تو اُسی کتے کی معلوم ہوتی ہے۔" فریدی نے جواب دیا۔ "مجھے افسوس ہے کہ یہ زندہ میرے ہاتھ نہ آسکا۔"

اندر آکر فریدی نے کسی کے نمبر ڈائیل کئے۔ ریسیور کان سے لگائے رہا۔ پھر ڈس کنکٹ

کر کے دوبارہ نمبر ڈائیل کئے اور فوراً ہی پھر ڈس کنکٹ کر دیا۔ اس طرح اس نے لگا تار تقریباً پچیس بار وہی نمبر ڈائیل کئے اور وہ نمبر حمید کے ذہن نشین ہو گئے۔ بہر حال اس کے بعد فریدی نے ریسیور کریڈل میں ڈال دیا۔

''آپ کس سے گفتگو کرنا چاہتے تھے۔''

''کسی سے بھی نہیں۔ میں تو صرف ایک تجربہ کرنا چاہتا تھا، جو سو فیصدی کامیاب رہا۔''

''کیا کامیاب رہا۔ میرا خیال ہے کہ آپ نے ابھی تک اپنا وقت برباد کیا ہے۔ آپ کی جگہ اگر میں ہوتا تو دیوار کے اُس طرف پہنچنے میں دیر نہ کرتا۔''

''تم پر کیا منحصر ہے۔'' فریدی بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ ''شیخ نتھو اور میر جمن بھی یہی کرتے۔''

''خیر..... خیر.....!'' حمید نے بیزاری سے کہا۔ ''آپ کے سب تجربات ختم ہو گئے یا ابھی کچھ باقی ہیں۔''

''اب تم سو سکتے ہو۔ مجھے توقع ہے کہ باقی رات آرام سے گذرے گی۔''

فریدی کمرے سے چلا گیا اور حمید بڑی تیزی سے ٹیلی فون ڈائریکٹری پر جھپٹ پڑا۔ دوسرے ہی لمحے میں وہ اس نمبر کی تلاش میں اوراق الٹ رہا تھا، جو کچھ دیر قبل بار بار ڈائیل کیا گیا تھا۔

مگر نمبر سے پتہ معلوم کر لینا آسان کام نہیں تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے جھلا کر ڈائریکٹری میز پر پٹخ دی اور پھر اسے اپنی عقل پر غصہ آنے لگا۔ آخر اتنی دیر تک ڈائریکٹری میں سر کھپانے کی کیا ضرورت تھی۔ نمبر کے ذریعہ پتہ تو انکوائری سے بھی معلوم کیا جا سکتا تھا۔ ٹیلی فون انکوائری میں کئی لڑکیاں اس کی شناسا بھی تھیں۔

اس نے انکوائری کو رنگ کیا۔ اتفاق سے لڑکی جان پہچان والی ہی نکلی اور حمید کو جلد ہی مطلوبہ پتہ مل گیا۔ لیکن جب وہ پتہ ایک کاغذ پر نوٹ کر کے ریسیور کریڈل میں رکھ رہا تھا اُس نے فریدی کی آواز سنی۔

''لیکن تم کوئی حماقت نہیں کرو گے۔''

حمید دروازے کی طرف مڑا۔ فریدی سامنے کھڑا سگار سلگا رہا تھا۔

''آپ نے مسز تنویر کے نمبر کیوں ڈائیل کئے تھے۔''

''بس یونہی..... میں نے سوچا کہ تمہیں کسی شاندار عورت کی سرپرستی میں دے دیا جائے۔''

''شکریہ..... مجھے آپ ہی کے زیر سرپرستی ہر قسم کا مزہ آجاتا ہے۔آپ مزید تکلیف نہ کریں۔''

''تم اُدھر کا رخ بھی نہیں کرو گے سمجھے۔''

''مجھے بوڑھی عورتوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہی مسز تنویر ہے۔تنویر ٹیکسٹائل ملز اور تنویر آئرن ورکس کی مالکہ۔''

''ہاں وہی..... کیا تم اس سے کبھی مل چکے ہو۔''

''اگر وہ بائیس اور تیس کے درمیان میں ہوگی تو یقیناً کبھی نہ کبھی مل چکا ہوں گا۔''

''اس کا لڑکا تمہاری عمر کا ہوگا۔''

''اور اس سے ایک آدھ چھوٹی کوئی لڑکی ہوگی۔ میں شرط لگانے کے لئے تیار ہوں۔''

''تم ہار جاؤ گے۔''

حمید کچھ نہ بولا۔تھوڑی دیر بعد اُس نے کہا۔''مگر وہ خونخوار کتا آج بھی تنہا نہ رہا ہوگا۔ آپ نے اس تجربے کے چکر میں اُسے نکل جانے دیا۔''

''حمید صاحب! مجرم میری جیب میں رکھے ہوئے ہیں۔ جس وقت چاہوں ہتھکڑیاں لگادوں۔مگر میں فی الحال ایسا نہیں کرنا چاہتا۔بس دو چار دن اور ٹھہر جاؤ تاکہ جو کسر باقی رہ گئی ہے وہ بھی پوری ہوجائے۔''

''آپ تو ایسا کہہ رہے ہیں گویا یہ کسر میری شادی سے پوری ہوگی۔''

''شٹ اَپ.....!'' فریدی نے کہا اور جانے کے لئے مڑا۔لیکن حمید فوراً ہی بول پڑا۔

''تو پھر آپ اُس گول مٹول سائے کے متعلق بھی جانتے ہوں گے۔''

''نہیں میں نہیں جانتا کہ وہ کیا بلا ہے..... یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ وہ ہمارے ہی لئے آئی تھی۔ ہوسکتا ہے کہ وہ اُسی کتے کا تعاقب کرتی ہوئی یہاں آئی ہو۔ رہا کتا تو وہ ایک بار پہلے بھی مجھ پر حملہ کرچکا ہے۔ممکن ہے آج بھی اسے یہاں اسی نیت سے لایا گیا ہو۔''

''تو کیا..... وہ سایہ اُس کتے کا تعاقب بھی کرسکتا ہے۔''

''خدا جانے.....!'' فریدی نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''کیا تمہیں نیند نہیں آ رہی ہے۔''

حمید بھنا کر وہاں سے اٹھ گیا۔ اپنے کمرے میں آ کر اس نے لباس تبدیل کیا۔ بستر پر جانے سے پہلے ایک پائپ پینے کی تیاری کرنے لگا۔ وہ پُراسرار سایہ اب بھی اس کے ذہن پر مسلط تھا۔ وہ کوئی بھاری بھرکم مگر ایسی چیز تھی جو گیند کی طرح لڑھک سکتی تھی اور ٹینس کی گیند کی طرح اچھل بھی سکتی تھی۔ پہلے فائر پر تو وہ حقیقتاً کسی ایسی ٹینس بال ہی کی طرح اچھلی تھی جسے پوری قوت سے زمین پر پٹخ دیا گیا ہو۔ حمید دیر تک اس کے متعلق سوچتا رہا پھر ذہنی رو اس خطرناک کتے کی طرف بہک گئی۔ اس نے بھی شائد زندگی میں پہلی بار اس قسم کا کوئی کتا دیکھا تھا مگر کیا اُسی خوفناک سائے نے اس کی ٹانگیں چیر ڈالی تھیں۔ یہ بات اس کی سمجھ میں نہ آ سکی۔ اگر یہ سایہ وہی تھا جس کے پیروں کے نشانات سعید بابر کی کھڑکی کے نیچے ملے تھے تو اس کتے سے اسکا کیا تعلق ہے۔ اسی کتے نے فریدی پر حملہ کیا تھا۔ مگر سائے کا حملہ سعید بابر کے لئے تھا۔ اسکا یہ مطلب ہوا کہ دونوں کے راستے الگ الگ تھے پھر اُن دونوں کا ٹکراؤ کیا معنی رکھتا ہے۔

حمید کو جلد ہی نیند نہ آ سکی۔ وہ بستر پر پڑا جاگتا رہا۔ اُسے مجرموں سے زیادہ فریدی پُراسرار معلوم ہو رہا تھا۔ اس وقت نہ تو اس نے کتے کی لاش کی پرواہ کی تھی اور نہ یہی معلوم کرنے کی کوشش کی تھی کہ وہ پُراسرار سایہ کہاں سے آیا تھا اور کدھر گیا تھا۔ اس کے برخلاف وہ فون پر تنویر کے نمبر ڈائیل کرتا رہا تھا۔

اچانک اس کے فون کی گھنٹی بجی اور وہ بیساختہ اچھل پڑا۔ اس عمارت میں تین فون تھے۔ ایک فریدی کی خواب گاہ میں رہتا تھا۔ دوسرا حمید کی خواب گاہ میں اور تیسرا لائبریری میں۔

''ہیلو.....! کیا سو گئے۔'' اس نے فریدی کی آواز سنی۔

''آپ کہاں سے بول رہے ہیں۔'' حمید نے بوکھلا کر پوچھا۔

''بستر سے۔''

''اور میں اہرام مصر پر ہوں۔''

''سنو مذاق نہیں۔ تمہیں ایک کام کرنا ہے۔''

''بستر پر پٹرول چھڑک کر آگ لگا دوں..... یہی نا۔'' حمید جھلا گیا۔

''اس وقت نہیں صبح.....!''

''تو کیا صبح نہ ہوتی..... بتایئے کیا کام ہے۔''

''صبح ضرور ہوگی.....!'' دوسری طرف سے آواز آئی ''مگر اس کام کی شروعات بستر پر پڑے ہی پڑے ہوسکتی ہے۔''

''ابھی کچھ کہہ دوں گا تو.....!''

''شٹ اپ..... میری سنو..... کسی طرح قاسم اور سعید بابر کو لڑادو۔''

''بڑے موڈ میں ہیں آپ.....!''

''آ..... ہاں..... تم نے مجھے راحلہ کے متعلق بتایا تھا۔ بس لڑادو..... دونوں کو..... تمہاری تفریح ہوجائے گی۔''

''آخر آپ ان دونوں کو کیوں لڑانا چاہتے ہیں۔''

''ایک تجربہ کررہا ہوں۔''

تجربے کے نام پر حمید جھلا گیا۔ اُس نے بائیں ہاتھ سے اپنا گلا گھونٹتے ہوئے کہا۔

''گردن ریت ڈالئے میری..... وجہ پوچھوں تو فرمایئے ایک تجربہ کررہا ہوں۔''

''قاسم کی خواب گاہ میں فون ضرور ہوگا۔'' فریدی نے کہا۔

''ہوگا..... مجھے پتہ نہیں۔''

''تم اس کے نمبر ڈائیل کرو..... کوئی دوسرا بولے تو کہو قاسم سے ملنا ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ سو رہا ہوگا۔ اٹھا بھی تو پھاڑ کھانے کے سے انداز میں فون پر آئے گا۔ تم کہنا کہ تم سعید بابر بول رہے ہو اور پھر راحلہ کے متعلق کچھ پوچھ بیٹھنا۔''

''سچویشن کا تصور کرکے حمید بے تحاشہ ہنس پڑا اور دوسری طرف سے آواز آئی۔ سمجھ گئے نا۔''

''میں سمجھ گیا..... لیکن آپ وجہ نہیں بتائیں گے کیوں؟''

''حمید سچ پوچھو تو ابھی یہ سارے معاملات تجرباتی دور میں ہیں۔ ویسے دو ایک مجرم میری نظر میں ضرور ہیں مگر بیکار۔ مکمل شہادت ملے بغیر میں ان کی طرف اشارہ بھی نہیں کرسکتا کیونکہ وہ سب کافی باعزت اور اونچی پوزیشن کے لوگ ہیں۔ خیر اچھا..... اب تم اپنا تجربہ شروع کرو۔''

حمید فون کا سلسلہ منقطع کر کے سوچ میں پڑ گیا۔ ضروری نہیں کہ فون خواب گاہ میں ہو اور قاسم کے نوکر یا گھر کے افراد شاید ہی اُسے جگانے کی ہمت کرسکیں۔ پھر اچانک اُسے یاد آیا کہ اس نے ایک بار دو تین ٹیلی فون آپریٹر لڑکیوں کا تعارف قاسم سے کرایا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ انہیں فون کرتا ہو۔ دن کو بیوی کی وجہ سے دشواری ہوتی ہوگی اس لئے وہ رات کو ضرور کوشش کرتا ہوگا۔ وہ دونوں الگ الگ کمرے میں سوتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ اس نے آج کل ایک فون خواب گاہ میں رکھ چھوڑا ہو۔

اس نے قاسم کو فون کرنے سے پہلے ایک بار پھر فریدی سے رابطہ قائم کیا۔

''ہیلو..... میں ہوں..... جی ہاں..... مگر سعید بابر کو تو آپ نے کنگس لین سے بھگا دیا ہے۔''

''یہی تو مصیبت ہے۔'' فریدی بولا۔ ''وہ ابھی تک وہیں جما ہوا ہے۔ میرے کہنے کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ اس نے بعد کو مجھے فون کیا تھا۔ کہتا تھا کہ وہ قطعی کسی سے مرعوب یا خائف نہیں ہے۔ اگر اس کا بھائی یہاں ایڑیاں رگڑ کر مرا ہے تو میں بھی یہیں مر جاؤں گا۔ وہ کہتا ہے کہ وہ ایسے بزدلوں سے مرعوب نہیں ہوسکتا جو ایک اپاہج کی رقم ہضم کر کے اسے بھیک مانگنے پر مجبور کرتے رہے۔ اب میں تمہیں بتاؤں کہ قاسم کی وجہ سے اُسے وہ کوٹھی چھوڑنی ہی پڑے گی۔''

''آخر آپ اُس بیچارے کو وہاں سے کیوں نکلوانا چاہتے ہیں۔''

''یہ ابھی نہ پوچھو..... بس دیکھتے جاؤ۔''

فریدی نے سلسلہ منقطع کر دیا۔ اب حمید قاسم کے نمبر ڈائیل کر رہا تھا۔ اُسے تقریباً پانچ یا چھ بار نمبر ڈائیل کرنے پڑے۔ پھر دوسری طرف سے ریسیور اٹھنے کی آواز آئی۔

''ہالو..... قون..... کون ہے۔'' قاسم کی دہاڑ سنائی دی۔

''قاسم صاحب.....!'' حمید نے اپنی آواز بدلنے کی کوشش کی۔

''ہاں قاسم صاحب..... تم کون ہو..... یہ بھی قوئی حرکت ہے۔''

''کیا راحلہ جاگ رہی ہیں۔''

''ابے تم کون ہو.....!'' قاسم دہاڑا۔

''سعید بابر.....!'' حمید نے ہنسی ضبط کرتے ہوئے کہا۔

''اچھا.....!'' چند لمحے خاموشی رہی پھر حمید کے ''ہیلو'' کہنے پر قاسم پھٹ پڑا۔ ''ابے او سعید بابر کے بچے تیرا دماغ تو نہیں چل گیا ہے.....سالے.....!''

''ذرا تمیز سے گفتگو کیجئے۔'' حمید نے لہجے میں غصیلا پن پیدا کیا۔

''تیری تمیز کی دم..... یہ راحلہ کیا تیری ممانی لگتی ہے۔''

''قاسم صاحب! آپ حد سے بڑھ رہے ہیں۔''

''ابے میں تیری بوٹیاں اڑا دوں گا۔ بڑا افریقہ کا بچہ۔ خبر دار جواب کبھی ادھر کا رخ کیا۔ مار مار کر بھس بھر دوں گا۔''

''میں آپ کی دھجیاں اڑا دوں گا۔ آپ ہیں کس خیال میں۔'' حمید نے کہا۔ ''راحلہ میری ہے اور ہمیشہ میری رہے گی۔''

''تیرے باپ کی ہے راحلہ.....اچھا ٹھہرو.....سُوّر کے بچے! میں وہیں تمہارے گھر پر آتا ہوں.....پھر دیکھوں گا کہ راحلہ کس کی ہے۔''

''آپ میرے گھر پر آ کر اپنی موت کو دعوت دیں گے۔''

''اچھا.....اچھا.....!''

''راحلہ کو ساتھ لیتے آیئے گا۔'' حمید نے کہا۔

''خرموش.....!'' قاسم چنگھاڑا۔ ''سُوّر کے بچے..... ابے میں سچ مچ آرہا ہوں۔ اسی وقت پھر دیکھوں گا کہ تجھ میں کتنا دم ہے۔''

''دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو گیا۔ حمید پیٹ دبائے ہوئے بے تحاشہ قہقہے لگا رہا تھا۔ اُس نے پھر فریدی سے گفتگو کرنے کے لئے ریسیور اٹھایا۔

''کیا بات ہے۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''وہ ابھی اور اسی وقت سعید بابر کی ہڈیاں توڑنے جا رہا ہے۔''

''خوب.....!''

''میں بھی جا رہا ہوں۔''

''تم کیا کرو گے۔''

''واہ.....اصل تفریح تو وہیں ہوگی.....اچھا میں چلا۔''

''ٹھہرو.....! سنو وہ دونوں تمہیں دیکھنے نہ پائیں۔''

''آپ مطمئن رہیں.....!'' حمید نے کہا۔ ریسیور کریڈل میں ڈالا اور بڑی تیزی سے لباس تبدیل کرنے لگا۔ کمرے سے باہر نکلتے وقت اُس کے جسم پر سیاہ پتلون اور چمڑے کی جیکٹ تھی۔

اُسے کچھ اچھی طرح یاد نہیں کہ اُس نے گھر سے سعید کی کوٹھی تک کا راستہ کیسے طے کیا۔ کار ایک گلی میں کھڑی کر کے وہ کوٹھی کی پشت پر پہنچ گیا۔ کوٹھی کے گرد قد آدم چہار دیواری تھی۔ حمید بڑی احتیاط سے اس پر چڑھا اور دوسری طرف اتر گیا۔

لیکن آج ایک حیرت انگیز بات اس نے مارک کی تھی۔ کوٹھی کی کمپاؤنڈ کا پھاٹک کھلا ہوا تھا اور عمارت کی بعض کھڑکیوں میں روشنی بھی نظر آ رہی تھی۔

حمید پام کے گملوں کی اوٹ میں رک گیا۔ یہاں سے پھاٹک صاف نظر آتا تھا۔ اچانک اُسے قاسم کی آواز سنائی دی، جو شاید پھاٹک میں داخل ہونے سے پہلے ہی دہاڑنے لگا۔

''ابے او سعید بابر کے بچے.....میں آ گیا.....نکل تو باہر۔''

پھر پھاٹک میں اس کے پہاڑ جیسے جسم کا دھندلا سا سایہ نظر آیا۔ وہ پورچ کی طرف بڑھ رہا تھا اور ساتھ ہی مغلظات کا طوفان امنڈا ہوا تھا۔ اچانک حمید کے جسم کے سارے رونگٹے کھڑے ہو گئے کیونکہ قاسم کے پیچھے بھی ایک سایہ تھا۔ وہی گول مٹول سا سایہ جو تھوڑی دیر قبل فریدی کی کوٹھی میں نظر آیا تھا۔ وہی تھا.....سو فیصدی وہی تھا۔

حمید اُسے محض واہمہ نہیں سمجھ سکتا تھا۔ وہ زمین پر کسی بڑی سی گیند کی طرح لڑھک رہا تھا اور قاسم شاید اس کی موجودگی سے لاعلم تھا۔ دونوں میں بمشکل تمام دس گز کا فاصلہ رہا ہوگا۔

حمید بوکھلا گیا۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں فائر کر دینے کے علاوہ اور کیا ہو سکتا تھا۔ لہٰذا اس نے ریوالور نکال کر پے در پے تین فائر جھونک دیئے۔

''ہت تیرے کی.....!'' اُس نے قاسم کی چنگھاڑ سنی۔ ''سالے بزدل۔''

حمید نے اس گول مٹول سائے پر فائر کئے تھے اور اُسے اچھل کر دوبارہ زمین پر گرتے دیکھا تھا مگر پھر اُس کے بعد وہ نظر نہیں آیا اور قاسم بھی ندارد.....''

''قاسم.....!'' حمید نے اُسے آواز دی۔

''قق.....قون.....!'' قریب ہی سے کپکپاتی ہوئی آواز آئی۔

ساتھ ہی کسی نے اوپری منزل کی ایک کھڑکی سے آوازوں کی سمت ٹارچ کی روشنی ڈالی۔

''حمید بھائی.....!'' قاسم اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ وہ شائد ابھی تک زمین پر چت پڑا رہا تھا۔ پھر وہ اوپری منزل والی کھڑکی کی طرف ہاتھ ہلا کر چیخا۔

''آؤ سالے.....نیچے آؤ۔ تم نے ایک پولیس آفیسر کی موجودگی میں مجھ پر گولیاں چلائی ہیں۔''

''کون ہے.....!'' اوپر سے آواز آئی۔

''میں تمہارا باپ.....نیچے آؤ.....!'' قاسم نے للکارا۔

حمید بوکھلا گیا۔ یہ نئی مصیبت تھی۔ قاسم کو کنٹرول کرنا آسان کام نہیں تھا۔ وہ کیا سوچ کر آیا تھا اور کیا ہو گیا؟ فریدی نے اُس سے کہا تھا کہ وہاں اس کی موجودگی کا علم اُن دونوں کو نہ ہونے پائے۔ مگر وہ پُراسرار سایہ درمیان میں آ کودا۔ اگر حمید اس پر فائر نہ کرتا تو قاسم کہاں ہوتا۔

''قاسم شور نہ مچاؤ۔'' حمید نے آہستہ سے کہا۔ ''تم اس وقت خطرے میں تھے۔ گولی میں نے چلائی تھی۔''

''ارے واہ.....!'' قاسم ہاتھ نچا کر بولا۔ ''میں ہی خطرے میں تھا اور مجھ ہی پر تم نے گولی چلائی.....تمہاری عقل میں کھوپڑی ہے یا نہیں۔''

دفعتاً نچلی منزل کا دروازہ کھلا اور بیرونی برآمدے کا کچھ حصہ روشن ہو گیا۔

سعید بابر شب خوابی کے لباس میں دروازے میں کھڑا تھا۔ قاسم بڑی تیزی سے اس کی طرف جھپٹا۔ مگر حمید نے اس سے بھی زیادہ تیزی سے آگے بڑھ کر اس کا بازو پکڑ لیا۔

''تم اس وقت یہاں کیوں آئے ہو۔'' حمید نے اس سے پوچھا۔

''اس سالے کو باربر بناؤں گا۔ مگر تم نے مجھ پر فائر کیوں کیا تھا۔'' وہ رک کر حمید کی طرف پلٹ پڑا۔

''کون صاحبان.....!'' سعید بابر نے برآمدے سے کہا۔ ''میں نے شاید فائروں کی آوازیں سنی تھیں۔ میرے ہاتھ میں بھی ریوالور ہے اور میں ایک ستون کی اوٹ میں ہوں۔''

''کیپٹن حمید.....!'' حمید نے گرجدار آواز میں کہا۔

''اوہو..... کپتان صاحب.....فرمایئے۔'' سعید بابر پھر روشنی میں آ گیا۔

''میں فرماؤں نگا.....!'' قاسم دہاڑا۔ ''اور ایسا فرماؤں نگا کہ تم مہینوں چارپائی سے اٹھ نہ سکو گے۔''

''یہ کون صاحب بول رہے ہیں کپتان صاحب! آپ حضرات یہاں کیوں تشریف لائے۔''

''جہاں تم کہو۔'' قاسم نے چیلنج کرنے سے انداز میں کہا۔ ''میں ہر جگہ تیار ملوں گا۔''

''قاسم خاموش رہو.....!'' حمید نے کہا۔

وہ دونوں برآمدے میں پہنچ گئے۔

''اوہو..... قاسم صاحب.....!'' سعید بابر نے حیرت سے کہا پھر حمید کی طرف دیکھ کر بولا۔ ''میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس وقت آپ حضرات کی موجودگی کا کیا مطلب ہے۔''

''موجودگی کا مطلب موجودگی ہے۔'' قاسم غرایا۔ ''ہاں اب کہو، جو کچھ کہہ رہے تھے۔''

''میں کچھ نہیں سمجھا جناب۔''

''جناب سالا گیا چولہے میں.....میں شرافت سے نہیں پیش آؤں گا۔''

حمید نے سوچا کہیں راز فاش نہ ہو جائے۔ اگر ایسا ہوا تو فریدی اچھی طرح اُسکی خبر لے گا۔ لہٰذا اس نے سعید بابر سے کہا۔ ''کیا آپکو علم ہے کہ آج رات بھی آپ بال بال بچے ہیں۔''

''یہ تم نے کیسے سمجھ لیا کہ یہ بال بال بچے ہیں۔'' قاسم غرایا۔ ''کیا تم میرا ہاتھ پکڑ لو گے ہے اتنی ہمت..... ہاں بابر صاحب۔ اب تم راحلہ کا نام ناپاک زبان سے نکالو تو دیکھوں۔''

''راحلہ کیا مطلب.....!''

قاسم کا ہاتھ چل گیا۔ بھرپور ہاتھ۔ سعید بابر لڑکھڑاتا ہوا فرش پر ڈھیر ہو گیا۔

''قاسم.....تم ہوش میں ہو یا نہیں۔'' حمید درمیان میں آ گیا۔ ''پیچھے ہٹو ورنہ گولی مار دوں گا۔''

''ارے.....ارے.....!'' قاسم پیچھے ہٹتا ہوا بولا۔

''بس چلے ہی جاؤ۔ اسی میں خیریت ہے۔ میں اس وقت ڈیوٹی پر ہوں۔ سعید بابر کا

محافظت سرکاری طور پر کر رہا ہوں۔ اس وقت تمہارا دوست نہیں..... جاؤ۔''

سعید بابر فرش پر بیٹھا بایاں گال دبائے خون تھوک رہا تھا۔

''اچھا سرکاری کے بچے! میں تمہیں بھی دیکھ لوں گا۔'' قاسم یکلخت دوسری طرف مڑتا ہوا بولا۔ پھر برآمدے کے نیچے اتر کر دھاڑا۔ ''سعید بابر..... کان کھول کر سن لو..... اب اگر تم نے راحلہ کا نام بھی لیا تو جہنم میں ہو گے۔ ہاں.....!'' اور پھر وہ تیزی سے چلتا ہوا تاریکی میں گم ہو گیا۔

''یہ یہاں اس وقت کیوں آیا تھا۔'' حمید نے سعید بابر سے پوچھا۔

''میں نہیں جانتا..... عجیب وحشی آدمی ہے۔''

''ویسے وہ کئی بار مجھ سے بھی کہہ چکا ہے کہ اُسے آپکا اور راحلہ کا ملنا جلنا پسند نہیں ہے۔''

''جھک مارتا ہے..... میں اور راحلہ بہت جلد شادی کرنے والے ہیں۔''

''اوہ خیر..... مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں ہے۔'' حمید نے کہا۔ ''لیکن یہ نئی اطلاع اُس کے لئے سنسنی خیز ضرور تھی۔ سنسنی خیز اس لئے تھی کہ قاسم اس کے متعلق سنتے ہی شائد اپنی ہی ہڈیاں چبا ڈالے۔''

''آج یہاں دراصل میری ڈیوٹی تھی۔'' حمید نے سعید بابر سے کہا۔ ''جس دن سے آپ پر حملہ ہوا ہے کوئی نہ کوئی یہاں ضرور موجود رہتا ہے۔''

''میں شکر گذار ہوں جناب۔''

''ذرا ٹارچ مجھے دیجئے اور میرے ساتھ آیئے۔'' وہ دونوں برآمدے میں آئے۔

حمید نے ٹارچ کی روشنی وہاں ڈالی جہاں اُسے وہ پُراسرار سایہ نظر آیا تھا۔ یہاں ویسے ہی حیرت انگیز نشانات موجود تھے۔

''میرے خدا.....!'' سعید بابر خوفزدہ آواز میں بڑبڑایا۔

''میں نے اسی پر فائر کیا تھا..... مگر شائد وہ فولاد یا پتھر کی کوئی مخلوق ہے۔''

''چلئے۔'' سعید بابر اُسکا ہاتھ پکڑ کر برآمدے کیطرف کھینچتا ہوا بولا۔ ''یہاں اب نہ ٹھہریئے۔''

سعید دوڑ رہا تھا۔ حمید کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں تھا۔ لہٰذا حمید کو بھی دوڑنا پڑا تھا۔ سعید بابر دروازہ بند کر کے ہانپنے لگا۔

خوفناک لمحات

حمید کونہیں معلوم تھا کہ اب فریدی کا کیا پروگرام ہے۔ اُس نے اُسے وہ سارے واقعات بتائے تھے جو سعید بابر کی کوٹھی میں پیش آئے تھے، جواب میں فریدی نے مسکرا کر صرف اتنا ہی کہا۔ ''ضروری نہیں کہ ہماری ساری اسکیمیں کامیاب رہی ہوں۔ میں نے دوسری طرح کام نکالنا چاہا تھا مگر نہیں ہوسکا۔''

حمید نے سوچا کہ نہیں ہوسکا تو جہنم میں جائے۔ اُسے کیا؟ مگر اُس نے فریدی کو راحلہ اور سعید بابر کی ہونے والی شادی کی خوشخبری سنا ہی دی۔

''بہت دلچسپ.....!'' فریدی مسکرایا۔ اُس کی آنکھوں میں شرارت آمیز چمک تھی۔

''ضرور دلچسپ.....!'' حمید دانت نکال کر بولا۔ ''دوسروں کی شادیوں کے متعلق سن کر آپ کو کافی مزہ آتا ہے۔''

فریدی باہر جانے کے لئے تیار تھا اس لئے بات آگے نہ بڑھ سکی۔ حمید اپنے کمرے میں آ گیا، وہ پچھلے چوبیس گھنٹوں میں بمشکل تمام تین گھنٹے سویا ہوگا۔

بستر پر جانے سے پہلے اُس نے قاسم کو فون کیا۔ فون سلیمہ نے ریسیو کیا تھا۔ پھر قاسم آ گیا۔

''میں تم سے بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔'' قاسم نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

''مت کرو بات..... لیکن میں سرکاری طور پر وہاں سعید بابر کی حفاظت کے لئے تھا۔''

''سرکاری کی ایسی کی تیسی۔ تم نے پہلے مجھ پر گولی چلائی پھر دوبارہ گولی مار دینے کی دھمکی دی۔ ویسے اگر تم مجھ سے نپٹنا چاہو تو میں اب بھی تیار ہوں۔''

''میں نے تم پر گولی نہیں چلائی تھی۔ تمہارے پیچھے ایک آدمی تھا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ سعید کی تاک میں آیا ہو۔ بہر حال میری ایک بھی گولی اس کے نہیں لگی۔ سعید بابر کی زندگی خطرے میں ہے۔ ایک بار تمہاری موجودگی میں بھی اس پر فائر ہو چکا ہے۔''

''صرف زندگی خطرے میں ہونے سے کیا ہوتا ہے۔ سالا مرے بھی تو کسی طرح۔''

''اب میں ایک بُری خبر سناؤں گا۔'' حمید نے کہا۔ ''راحلہ اور سعید کی شادی ہونیوالی ہے۔''

''قیا.....!'' قاسم دہاڑا۔ ''قبھی نہیں ہونے دوں گا۔''

''بھلا تم کیسے روک سکو گے۔ راحلہ اپنی مرضی کی مالک ہے۔''

''میں دونوں کو گولی ماردوں گا۔''

''آخر کیوں! تمہارا کیا بگڑتا ہے۔''

''میں اب دنیا میں کسی کی شادی نہیں ہونے دوں گا..... سامجھے۔''

''کیوں برخوردار.....!''

''یونہی..... میرا دل چاہتا ہے اور اب تو میں سعید بابر کو شہر ہی میں نہ رہنے دوں گا۔''

قاسم نے دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا۔ حمید نے جیسے ہی ریسیور رکھا۔ گھنٹی پھر بجی۔

''ہیلو..... حمید۔'' آواز آئی۔ آواز فریدی کی تھی اور وہ کہہ رہا تھا۔ ''عدنان والا کیس بھی میرے ہی پاس ہے۔ تم تنویر سے مل کر اُن چاروں آدمیوں کے متعلق ضرور معلومات فراہم کرو، جو عدنان کے ساتھ ہی غائب ہو گئے تھے۔ اس کے لئے اپنی تمامتر ہمدردیاں ظاہر کرنا محض اس لئے کہ ہم میں شناسائی تھی سمجھے۔''

''سمجھ گیا..... جا رہا ہوں۔ لیکن نیند کی وجہ سے دماغ کچھ ماؤف سا ہو رہا ہے۔ اگر ایسی ذہنی حالت میں مجھے تنویر سے عشق ہو گیا تو تمام تر ذمہ داری آپ پر ہو گی۔ کیونکہ نیند ہی کے عالم میں ایک بار.....!'' حمید بکتا رہا اور فریدی نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

اُسے بہت عرصہ سے تنویر کو دیکھنے کی تمنا تھی۔ اُس نے اس کی حیرت انگیز صحت کے متعلق بہت کچھ سن رکھا تھا۔

تنویر نے اُسے اپنے نجی آفس میں ریسیو کیا۔ لیکن حمید اس کے چہرے سے قطعی اندازہ نہ لگا سکا کہ وہ اپنے لڑکے کے لئے مغموم ہے۔

آفس میں دو لڑکیاں رجسٹروں پر جھکی ہوئی تھیں۔

''مجھے یہاں کی پولیس سے بڑی شکایت ہے۔'' تنویر نے کہا۔

''ٹھیک ہے۔'' حمید سر ہلا کر بولا۔ ''لیکن آپ لوگ بھی غلطیاں کرتے ہیں۔ کئی بار کے سزا یافتہ لوگوں کو آپ نے باڈی گارڈ بنا رکھا تھا۔''

''یہ تو مجھے اب معلوم ہوا ہے کہ وہ سزا یافتہ تھے۔'' تنویر بولی۔ ''اُن مردودوں نے مجھے اپنے سرٹیفکیٹ دکھائے تھے۔''

''چوریوں، ڈکیتیوں اور کشت و خون کے سرٹیفکیٹ . . . . .!'' حمید نے پوچھا۔

''نہیں.....انہوں نے کہا کہ وہ ریٹائرڈ فوجی ہیں۔ ان کے پاس سرٹیفکیٹ تھے۔''

''اوہ.....تو آپ ان کے متعلق دھوکے میں تھیں۔''

''قطعی دھوکے میں رہی۔''

''وہ آپ کے پاس کب سے تھے۔''

''پانچ سال سے.....لیکن اس دوران میں کبھی انہوں نے مجھے شکایت کا موقع نہیں دیا۔ میں نہیں سمجھ سکتی کہ وہ عدنان کو کیوں لے گئے۔''

''اگر عدنان صاحب ہی انہیں کہیں لے گئے ہوں تو۔''

''نہیں.....وہ مجھے اطلاع دیئے بغیر کہیں نہیں جاسکتا۔'' تنویر نے کہا اور کچھ سوچنے لگی۔ پھر ایسا معلوم ہوا جیسے کچھ اور بھی کہے گی لیکن وہ کافی دیر تک کچھ نہ بولی اور حمید دونوں لڑکیوں کا جائزہ لیتا رہا۔

''ٹھہریئے.....میں ابھی آتی ہوں۔'' تنویر نے کہا اور اٹھ کر آفس سے نکل گئی۔

حمید اب باقاعدہ طور پر لڑکیوں کو گھورنے لگا تھا۔ ایک لڑکی سے کئی بار نظریں ملیں۔ حمید کے دیکھنے کا انداز کچھ ایسا تھا کہ لڑکی کو بولنا ہی پڑا۔

''کیا آپ کچھ پوچھنا چاہتے ہیں۔''

''جی ہاں.....!'' حمید ایک طویل سانس لے کر بولا۔ ''میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ لڑکیوں کو کلرکی کرتے دیکھ کر میرا کلیجہ خون ہو جاتا ہے۔''

لڑکی بُرا سا منہ بنا کر پھر کاغذات میں مشغول ہوگئی۔ حمید نے دوسری لڑکی کی طرف دیکھا جو اُسے غور سے دیکھ رہی تھی۔

''آپ کا کلیجہ خون کیوں ہو جاتا ہے جناب۔''

''آپ اتنی ذرا سی بات نہیں سمجھ سکتیں۔ میں لڑکیوں کو انکے صحیح مقام پر دیکھنا چاہتا ہوں۔''

''ذرا مجھے بھی تو آگاہ کیجئے اس مقام سے۔'' لڑکی اپنا اوپری ہونٹ بھینچ کر بولی۔

''رنگین مرغزاروں میں چاندی کی جھیلوں کے کنارے، صنوبر کے سائے تلے اور.....!''

''یعنی ہم.....!'' لڑکی بات کاٹ کر بولی۔ ''مرغزاروں کی گھاس چریں اور جھیل سے ٹھنڈا پانی پی کر سو رہیں۔''

''اوہو.....آپ میں جمالیاتی حس بالکل نہیں معلوم ہوتی۔''

''جی ہاں.....اس وقت بالکل مردہ ہوگئی ہے جمالیاتی حس..... کیونکہ صبح سے اب تک صرف دو سلائیس اور ایک کپ چائے پر ہوں۔ لنچ کے بعد پھر جاگ اٹھے گی جمالیاتی حس۔''

''اوہو! مجھ سے غلطی ہوئی۔'' حمید جلدی سے بولا۔ ''لڑکیوں کا صحیح مقام دراصل باورچی خانہ ہے، تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ میری نانی صاحبہ اپنے وقت کی سب سے بڑی مفکر تھیں۔''

''خدا غارت کرے ان نانیوں اور دادیوں کو انہیں کی بدولت عورتوں کی مٹی پلید ہوئی ہے۔''

حمید جواب میں کچھ کہنے ہی والا تھا کہ تنویر واپس آ گئی۔ لیکن اس کا چہرہ اُترا ہوا تھا آنکھوں سے بے چینی مترشح تھی۔

''ذرا میرے ساتھ آیئے۔'' اس نے کہا اور پھر دروازے کی طرف مڑ گئی۔ حمید اٹھ کر باہر نکل آیا۔

''کیا بات ہے.....آپ کچھ پریشان سی نظر آ رہی ہیں۔''

''ہاں..... میں پریشان ہوں۔ میں دراصل آپ کو ایک چیز دکھانا چاہتی تھی لیکن اب وہ وہاں نہیں ہے.....آیئے میرے ساتھ۔''

حمید اپنے شانوں کو جنبش دے کر اس کے ساتھ چلنے لگا۔ وہ رہائشی عمارت میں آئے۔ یہ شاید نشست ہی کا کمرہ تھا۔ تنویر نے مینٹل پیس پر رکھے ایک آبنوسی ڈبے کی طرف اشارہ کیا جس پر نقش و نگار بنے ہوئے تھے۔

''آج کل میری کوٹھی میں کچھ نامعلوم آدمی..... ٹھہریئے۔'' وہ دروازے کی طرف جھپٹی اور حمید اس ڈبے کی طرف دیکھنے لگا۔ تنویر کا جملہ اور اشارہ دونوں ہی ادھورے سے رہ گئے تھے۔ وہ دروازے تک گئی اور پھر واپس آ گئی۔

''میں نہیں سمجھ سکتی کہ یہ کیا قصہ ہے۔ ہر وقت مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے کوئی چھپ کر میری گفتگو سن رہا ہو..... عدنان کا اس طرح غائب ہو جانا کسی گہری سازش کا پیش خیمہ ہے۔ پہلے تو میں یہ سمجھتی تھی کہ شاید وہ چاروں مجھ سے کوئی بڑی رقم وصول کرنا چاہتے ہیں۔''

''ہمارا بھی یہی خیال تھا۔'' حمید نے کہا۔

''مگر اب ..... پچھلی ہی رات کی بات ہے کمپاؤنڈ میں کچھ نامعلوم آدمی موجود تھے انہوں نے کئی کھڑکیوں سے شیشے توڑ کر اندر گھسنے کی کوشش بھی کی تھی۔''

''کامیاب نہیں ہو سکے۔'' حمید نے پوچھا۔

''نہیں کامیاب ہو سکے..... لیکن آج صبح میں نے ایک کھڑکی کے نیچے ایک لاکٹ پڑا پایا تھا۔ میں نے سوچا ہو سکتا ہے کہ پولیس کے کسی کام آ سکے لہٰذا میں نے اُسے اس سیاہ ڈبے میں رکھ دیا۔ آپ کی آمد پر میں نے ارادہ کیا کہ وہ لاکٹ آپ کو دکھاؤں..... مگر میرے خدا اس ڈبے میں لاکٹ کی بجائے.....!''

تنویر پھر خاموش ہو گئی۔ اُسکے ہونٹ کانپ رہے تھے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کوئی بُری خبر سناتے ہوئے ڈر رہی ہو۔ آخر اس نے بدقت تمام کہا۔ ''اس ڈبے میں ایک کٹا ہوا ہاتھ ہے۔''

حمید ڈبے کی طرف جھپٹا اور اُسے مینٹل پیس سے اتار کر کھولنے کی کوشش کرنے لگا۔

''کیا یہ مقفل ہے۔'' اُس نے پوچھا۔

''نہیں وہ سفید بٹن دبایئے۔'' تنویر بولی۔

بٹن پر انگلی پڑتے ہی ڈھکن اچھل کر سیدھا کھڑا ہو گیا..... لیکن حمید ..... لڑکھڑا کر دو چار قدم پیچھے ہٹ گیا۔ ڈبہ اب بھی اس کے ہاتھ میں ہی تھا۔ مگر نظر نہیں آ رہا تھا کیونکہ آنکھوں اور ڈبے کے درمیان زرد رنگ کا گہرا غبار حائل ہو گیا تھا۔ پھر اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ اندھیرے میں ہو۔ گہرے اندھیرے میں۔ پھر اُسے یاد نہیں کہ کیا ہوا۔ نہ جانے کتنی دیر بعد ہوش آیا۔ اُسے وقت کا احساس نہیں ہوا۔ البتہ اب بھی وہ اندھیرے ہی میں تھا اور اس کی ذہنی حالت اعتدال پر نہیں آئی تھی۔ اُس نے زمین سے اپنا وہ ہاتھ اٹھانا چاہا جس پر ریڈیم ڈائیل کی گھڑی تھی لیکن یہ بھی ممکن نہ ہوا۔ ویسے وہ محسوس کر رہا تھا کہ اُس کے ہاتھ پیر آزاد ہیں۔

ہوش میں آئے ہوئے کافی وقت گذر گیا لیکن حمید کی ذہنی اور جسمانی حالت درست نہ ہوئی۔ اس کا ذہن اوٹ پٹانگ خیالات کی آماج گاہ بنا ہوا تھا۔ کیفیت وہی تھی جو کسی بے ربط خواب کی ہوتی ہے۔

پھر اُس نے کسی کے قدموں کی آہٹ سنی اور دفعتاً چاروں طرف روشنی پھیل گئی۔ زینوں پر اُسے تنویر نظر آئی۔ بڑی شان سے آہستہ آہستہ نیچے آرہی تھی۔ اس کے ہاتھ میں چمڑے کا ہنٹر تھا....وہ حمید سے تین یا چار فٹ کے فاصلے پر رک گئی۔ اس کی آنکھوں سے حقارت اور نفرت جھانک رہی تھی۔

''عدنان کہاں ہے۔'' اس نے سرد لہجے میں کہا۔

''میں.....کیا جا.....نوں.....!'' حمید نے بدقت کہا۔

''یہ اذیت خانہ ہے.....تم سسک سسک کر مر جاؤ گے۔''

حمید نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن دوسرے ہی لمحے میں تنویر نے اس کے سینے پر پیر رکھ دیا اور حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے اُس کے سینے کی ہڈیاں ٹوٹ جائیں گی۔

پتہ نہیں وہ حقیقتاً اتنی ہی طاقتور تھی یا یہ حمید کی موجودہ نقاہت تھی جس کی بناء پر اس نے ایسا محسوس کیا تھا۔

''خیریت اسی میں ہے کہ چپ چاپ پڑے رہو۔ اُس نے اس کے سینے پر سے پیر ہٹاتے ہوئے کہا۔ ورنہ یہاں تمہیں کوئی رونے والا بھی نہیں ملے گا۔''

حمید پھر حمید تھا اور تنویر عورت تھی۔ معمر اور سخت مزاج ہی سہی لیکن اپنی صحت اور رکھ رکھاؤ کی بناء پر غلط فہمی میں مبتلا ہوسکتی تھی۔

''تنویر.....!'' حمید نے دردناک لہجے میں کہا۔ ''ہوش میں آنے کے بعد میں کچھ اور سمجھا تھا مگر تم عدنان کا قصہ لے بیٹھیں۔''

''کیا سمجھے تھے۔'' تنویر غرائی۔

''میں سمجھا تھا شاید تم مجھ پر عاشق ہوگئی ہو۔''

''شراپ.....!'' چمڑے کا ہنٹر حمید کے پیروں پر پڑا۔ مگر وہ تلملانے کی حد تک بھی ہاتھ

پیر نہیں ہلا سکتا تھا۔ ڈبے سے نکلنے والا زرد رنگ کا غبار شائد اسی لئے استعمال کیا گیا تھا کہ اس کی قوت ہی ختم ہو جائے۔ مگر حمید کی زبان کی قوت سلب کرنا کس کے بس کا روگ تھا۔

''میں اس ٹریجڈی کے بعد ایک کہانی لکھوں گا جس کا عنوان ہوگا 'سنگدل محبوبہ'۔''

ہنٹر پھر پڑا۔

''مار ڈالو.....!'' حمید مسکرا کر بولا۔ حقیقت تو یہ تھی کہ حمید کو چوٹ کا بھی کچھ ایسا زیادہ احساس نہیں ہو رہا تھا۔

تنویر چند لمحے اُسے گھورتی رہی پھر بولی۔

''تمہیں بتانا پڑے گا کہ عدنان کہاں ہے۔''

''ہم اُسے تلاش کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ مگر یہ طریقہ بڑا عجیب وغریب ہے۔ تنویر کیا تم یہ سمجھتی ہو کہ عدنان کو ہم نے اغواء کیا ہے۔''

تنویر کچھ نہ بولی۔ وہ غور سے اُسے دیکھ رہی تھی۔

''خدا کی قسم بس ذرا سا مسکرا دو۔ ان پتلی پتلی یاقوتی کاشوں پر مسکراہٹ بڑی بھلی لگتی ہوگی۔''

''شٹ اَپ.....!''

حمید ایک ٹھنڈی سی سانس لے کر خاموش ہو گیا۔ اُس کے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ عدنان کہاں ہے۔

''کیا تم ایک رات زغالی کے گھر نہیں گئے تھے۔'' تنویر نے پوچھا۔

''یقیناً گیا تھا.....!''

''تمہارے ساتھ کون کون تھا۔''

''سارجنٹ رمیش اور پروفیسر دیال۔''

''کیوں گئے تھے۔''

''کسی عجیب وغریب جانور کے پیروں کے نشانات کے متعلق معلومات حاصل کرنے کیلئے۔''

''نشانات کہاں ملے تھے۔''

''افریقہ کے ایک تاجر سعید بابر کی کمپاؤنڈ میں۔''

''تمہیں زغالی کے پاس کس نے بھیجا تھا۔''

''کرنل فریدی نے۔''

''اُسے کیا معلوم کہ زغالی اُس کے متعلق کچھ بتا سکے گا۔''

''کرنل فریدی آدمی نہیں جن ہیں۔'' حمید نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔

تنویر تھوڑی دیر کے لئے پھر خاموش ہوگئی اور حمید بولا۔ ''تم آخر یہ سب مجھ سے کیوں پوچھ رہی ہو۔ کیا تم اُس جانور کے متعلق کچھ جانتی ہو۔''

''ہاں..... میں جانتی ہوں۔'' تنویر کے ہونٹوں پر ایک سفاک سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ ''میں جانتی ہوں۔ وہ آدمی کا گوشت بڑی رغبت سے کھاتا ہے۔ کل رات وہ کرنل فریدی اور کیپٹن حمید کا گوشت کھانے کیلئے گیا تھا مگر وہ دونوں ہوشیار تھے۔ پھر وہ سعید بابر کا گوشت کھانے کیلئے گیا لیکن وہاں بھی کیپٹن حمید ہی آڑے آیا۔ لہٰذا اب تم خود سوچ لو کافی سمجھدار ہو۔''

حمید سناٹے میں آ گیا۔ اب اس کی عقل راستے پر آ رہی تھی۔ نہ صرف عقل صحیح راستے پر آ رہی تھی بلکہ فریدی کی بعض ''حماقتیں'' بھی یاد آ رہی تھیں۔ مثلاً پچھلی رات کو اس نے اس گول مٹول بلا کے تعاقب میں جانے کی بجائے تنویر کے ٹیلی فون نمبر ڈائیل کرنا شروع کر دیئے تھے۔

تو کیا..... تنویر ہی..... حمید کانپ گیا۔ اُس نے تنویر کی طرف دیکھا جو پلکیں جھپکائے بغیر اُس کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔

''کیا تم اسے دیکھنا چاہتے ہو۔'' تنویر کی تیز قسم کی سرگوشی کمرے میں گونجی۔

حمید کچھ نہ بولا۔

''میں تمہیں دکھاؤں گی۔'' تنویر دائیں طرف والی دیوار کی طرف جاتی ہوئی بولی۔ اچانک کمرے کی تیز روشنی دھندلاہٹ میں تبدیل ہوگئی..... اور حمید نے محسوس کیا جیسے سامنے والی دیوار اپنی جگہ سے کھسک کر ایک طرف دوڑتی چلی گئی ہو۔ ساتھ ہی سڑتے ہوئے گوشت کی بدبو سے اس کا دماغ پھٹنے لگا۔

ہٹی ہوئی دیوار کی دوسری طرف گہری تاریکی تھی لیکن دوسرے ہی لمحے میں وہ تاریکی بھی دھندلاہٹ میں تبدیل ہوگئی۔

فرش پر ایک بہت بڑی سی گیند لڑھکتی پھر رہی تھی۔ حمید کچھ اس قسم کی آوازیں بھی سن رہا تھا جیسے کوئی ریلوے انجن اسٹیم چھوڑ رہا ہو۔

''مڈونگا.....! میں وہاں روشنی کروں گی۔'' تنویر نے کہا۔

اور وہ گول مٹول سایہ لڑھکتا ہوا ایک طرف چلا گیا اور دوسرا کمرہ بھی روشنی میں نہا گیا۔

مگر حمید نے دوسرے ہی لمحے میں اپنی آنکھیں بند کرلیں کیونکہ سامنے ہی اسے انسانی ہڈیوں کے تین پنجر نظر آ گئے تھے۔ دو تو صرف ہڈیوں کے ڈھانچے تھے لیکن تیسرے پر ابھی تھوڑا گوشت باقی تھا اور شاید یہ اسی کی بدبو تھی۔ اچانک ایک آدمی گھٹنوں کے بل چلتا ہوا اُس کمرے میں آ گیا جہاں حمید فرش پر چت پڑا ہوا تھا۔ آنے والے کا شیو بڑھا ہوا تھا اور اس کے چہرے پر مردنی تھی۔ آنکھیں حلقوں میں گھسی ہوئی تھیں۔ حمید نے اسے پہچان لیا۔ وہ انہیں چاروں میں ایک تھا جن کی تصویریں اُس نے کوتوالی میں دیکھی تھیں وہ آتے ہی تنویر کے قدموں پر ڈھیر ہوگیا۔

''معاف کردیجئے محترمہ..... خدا کے لئے معاف کردیجئے۔'' وہ روتا ہوا گڑگڑایا مگر تنویر نے بُرا سا منہ بنا کر اُسے ٹھوکر ماردی۔

حمید کی حالت رفتہ رفتہ بہتر ہوتی جارہی تھی لیکن وہ فرش پر بے حس وحرکت پڑا رہا تھا۔ اس کا ذہن تیزی سے کام کرنے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آخر وہ گول سایہ روشنی کا نام سن کر وہاں سے ہٹ کیوں گیا تھا۔

''نہیں تجھے معاف نہیں کیا جاسکتا۔'' تنویر روتے ہوئے باڈی گارڈ سے کہہ رہی تھی۔

''تو مڈونگا کی غذا بنے گا۔ اس کے لئے یہاں ایک شکار اور بھی ہے کیپٹن حمید۔ وہ نہیں بتاتا کہ عدنان کہاں ہے۔ اگر تو بتا دے تو میں اُسے معاف کرسکتی ہوں۔''

حمید نے دل میں کہا۔ ''تم مجھے ضرور معاف کردو گی میری الہڑ بڑھیا۔''

اب بہت کچھ اس کی سمجھ میں آ گیا تھا۔ اس نے نحیف آواز میں کہا۔ ''میں بتادوں گا۔''

''بتاؤ..... میں تمہیں معاف کردوں گی۔''

''پانی.....!''

''بتانے کے بعد پانی بھی مل جائے گا۔''

''میں مر رہا ہوں.....!'' حمید نے اس طرح اپنی آنکھوں کو گردش دی جیسے سچ مچ اس پر غشی طاری ہو رہی ہو۔

''پانی.....!'' اُس کے حلق سے ایک ڈراؤنی سی آواز نکلی۔

''میں پانی لا رہی ہوں۔'' تنویر نے کہا اور زینوں کی طرف جھپٹی۔ حمید نے اس وقت تک یہ ایکٹنگ جاری رکھی جب تک کہ اس کے قدموں کی آہٹ سکوت میں نہیں ڈوب گئی۔

دوسرا بدنصیب آدمی اُسے بڑی بے تعلقی سے دیکھ رہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کے ہر قسم کے جذبات فنا ہو گئے ہوں حتیٰ کہ اس کے چہرے پر خوف کے آثار بھی نہیں تھے۔ حمید نے اشارے سے اُسے اپنے پاس بلایا اور وہ گھٹنوں کے بل جھپٹا جیسے کوئی کتا اپنے مالک کی سیٹی پر دُم ہلاتا ہوا دوڑا چلا آئے۔

''یہ روشنی میں کیوں نہیں آتا۔'' حمید نے آہستہ سے پوچھا۔

''روشنی میں اُسے دکھائی نہیں دیتا۔''

''وہ ہے کیا بلا۔''

''خبیث.....نہ وہ آدمی ہے اور نہ جانور۔''

''کیوں نہ ہم اُسے مار ڈالیں۔''

''ناممکن.....وہ ہزاروں پر بھاری ہے.....لیکن کیا آپ کے پاس ریوالور ہے۔''

''نہیں.....!''

''قطعی ناممکن.....!''

''پھر کیا تم مرنا ہی چاہتے ہو۔'' حمید نے کہا۔

''مقدر.....!'' اُس نے بے بسی سے کہا لیکن پھر جلدی سے بولا۔ ''تنویر کے بلاؤز کے گریبان میں ہر وقت ایک پستول رہتا ہے۔''

''اوہ.....بس اب تم ہٹ جاؤ۔'' حمید نے کہا اور آنکھیں بند کر لیں۔ باڈی گارڈ پھر گھٹنوں کے بل چلتا ہوا وہیں پہنچ گیا۔ جہاں تنویر اُسے چھوڑ کر گئی تھی۔

تھوڑی دیر بعد پھر زینوں پر قدموں کی آہٹ ہوئی۔ تنویر پانی کا گلاس لئے ہوئے نیچے آ رہی تھی۔ اُس نے قریب آ کر حمید کو آوازیں دیں۔ لیکن حمید چپ چاپ پڑا رہا۔ تنویر شاید یہ سمجھی کہ اس پر دوبارہ غشی طاری ہوگئی ہے۔

وہ اس کے قریب ہی بیٹھ کر اس کے چہرے پر پانی کے چھینٹے مارنے لگی اور پھر حمید یک بیک اس پر ٹوٹ پڑا۔ سب سے پہلے اس کا ہاتھ اس کے گریبان کی طرف بڑھا لیکن کامیابی نہ ہوئی اور حمید اُس کی طاقت کا اندازہ کر کے ششدر رہ گیا۔ وہ کبھی کسی عورت میں اتنے پھرتیلے پن اور طاقت کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ تنویر اس کی گرفت سے نکل گئی اور باڈی گارڈ چیخا۔

''کپتان صاحب یہ سوئچ بورڈ کی طرف نہ جانے پائے۔''

حمید نے پھر اس پر چھلانگ لگائی مگر اس کا سر دیوار سے ٹکرایا لیکن وہ پھر سنبھل کر تنویر کی طرف جھپٹا۔ مگر اب وہ سوئچ بورڈ کے قریب پہنچ چکی تھی۔ دفعتاً روشنی دھندلاہٹ میں تبدیل ہوگئی۔ باڈی گارڈ کے حلق سے ایک خوفزدہ سی چیخ نکل گئی۔ دوسری طرف تنویر چیخ کر بولی۔

''ڈونگا میں خطرے میں ہوں۔''

حمید کو بس اتنا ہی یاد ہے وہ گیند سی بلا اتنی تیزی سے وہاں پہنچی تھی جیسے کسی نے اس پر ہٹ لگائی ہو۔ تنویر نے ایک زہریلا سا قہقہہ لگا کر کہا۔ ''ڈونگا'' لیکن وہ آگے نہ کہہ سکی کیوں کہ زینوں کی طرف سے پے در پے تین چار فائر ہوئے۔ کمرے میں سیٹیاں اور سسکاریاں گونجنے لگیں۔

''تنوی..... تنوی.....!'' سیٹیوں اور سسکاریوں میں کوئی کہہ رہا تھا۔ ''میں تو چلا..... تیرا وقت بھی قریب ہے۔''

تنویر دیوانہ وار زینوں کی طرف فائر کرنے لگی اور پھر شاید اس کا پستول خالی ہی ہوگیا۔ سیٹیاں اور سسکاریاں اب بھی کمرے میں گونج رہی تھیں اور وہ بڑی سی گیندا اپنی ہی جگہ پر بڑی تیزی سے گردش کر رہی تھی۔ زینوں کی طرف سے ایک فائر پھر ہوا اور وہ آوازیں بھی ختم ہوگئیں۔

حمید نے اندھیرے میں فریدی کا قہقہہ سنا وہ کہہ رہا تھا۔ ''تنویر اب وہ چیز ختم ہوگئی جس

کی وجہ سے تم سالہا سال سے اپنے گھر والوں اور قریبی حلقوں میں پُراسرار مشہور رہی ہو اور یہ خالی پستول اب اپنے سر پر مارلو۔ کم از کم ایک کارتوس خودکشی کے لئے تو چھوڑا ہوتا۔“

سائے کی لاش

فریدی سوئچ بورڈ کے پاس پہنچ چکا تھا۔ اس نے کمرے میں روشنی کردی۔ دفعتاً تنویر کے حلق سے ایک گھٹی گھٹی سی چیخ نکلی اور اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپالیا۔ فریدی کے ساتھ عدنان بھی تھا۔

وہ عجیب الخلقت آدمی یا جانور فرش پر چت پڑا ہوا تھا۔ انتہائی ڈراؤنا۔ اس کی لاش بھی خوفزدہ کردینے کے لئے کافی تھی۔ اس کا قد بمشکل تمام چار فٹ رہا ہوگا۔ پھیلاؤ بھی اُس سے کسی طرح کم نہ رہا ہوگا۔ چہرہ جھریایا ہوا اور خوفناک تھا۔ بڑے بڑے دانت ہونٹوں سے باہر نکلے ہوئے تھے۔ پلکیں تک سفید ہوگئی تھیں اور اس کے پیر..... وہ یقیناً عجیب تھے۔ خود اس کی ہیئت سے بھی زیادہ عجیب۔

”ڈونگا.....!“ اچانک تنویر چیخ مار کر اس کی لاش پر گر پڑی۔

”میرے پیارے.....!“ وہ اپنے بال نوچ رہی تھی۔ ”تو دس ہاتھیوں سے زیادہ طاقتور تھا..... مگر میرے پیر چاٹتا تھا۔ ڈونگا..... میں تجھ پر ظلم کرتی تھی۔ تجھے کوڑے لگاتی تھی تو میرا پرستار تھا۔ میں زندگی بھر تیرے لئے روتی رہوں گی۔ تیرے قاتل کو کبھی معاف نہ کروں گی۔“

”ممی..... کیا تم پاگل ہوگئی ہو۔“ عدنان جھینپے ہوئے انداز میں چیخا۔ تنویر کچھ نہ بولی۔

وہ آگے کی طرف جھکی اور مردہ آدم خور کے منہ پر اپنا منہ رکھ دیا۔

”میں اسے گولی ماردوں گا۔“ عدنان فریدی سے ریوالور چھیننے کی کوشش کرتا ہوا بولا۔

فریدی نے اُسے آہستہ سے ایک طرف ہٹاتے ہوئے کہا۔ ”اس وقت یہ تمہاری ماں نہیں ہے۔ صرف ایک عورت ہے۔“

عدنان سر جھکائے ہوئے زینوں کی طرف مڑ گیا۔ فریدی نے اُسے روکا نہیں۔ وہ اوپر جانے کے لئے زینے طے کررہا تھا۔ حمید اور فریدی خاموش کھڑے رہے۔ باڈی گارڈ ایک

کونے میں منہ ڈالے کھڑا بُری طرح کانپ رہا تھا۔

''بدبو سے میرا دماغ پھٹ رہا ہے۔'' حمید بڑبڑایا۔ ''یہ کمبخت آدم خور بھی تھا۔ تین باڈی گارڈوں کو صاف کر گیا۔ ان کی لاشیں سڑ رہی ہیں اور چوتھا وہ اُدھر ہے۔''

فریدی حمید کی بات کی طرف دھیان دیئے بغیر تنویر کی طرف بڑھا جو اب بھی مڈونگا کی لاش پر پڑی کسی چھوٹی سی بچی کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

فریدی نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا اور وہ اچھل کر کھڑی ہوگئی۔ اس کا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا ہوا تھا اور آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

''جاؤ یہاں سے ..... میں تم سے التجا کرتی ہوں۔ اگر میں مجرم ہوں تو مجھے اسی تہہ خانے میں بند کردو۔ میں ایڑیاں رگڑ کر مر جاؤں گی۔''

''مجھے تم سے ہمدردی ہے۔'' فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔ ''اسی لئے میں نے تمہارے لئے خودکشی تجویز کی تھی کیونکہ تمہارے عدالت میں پیش ہونے سے عدنان کا سوشل اسٹیٹس خطر میں پڑ جائے گا۔ ہاں سعید بابر اور داراب کی گرفتاری میں مجھے مدد ملے گی۔''

''سعید بابر..... داراب.....!'' تنویر نے حیرت سے کہا اور اپنے آنسو پونچھ ڈالے۔ چند لمحے فریدی کو گھورتی رہی پھر آہستہ سے بولی۔ ''انہیں کیوں گرفتار کرو گے۔ ان کی تو پشت پناہی کر رہے تھے تم.....!''

''ہاں..... میں کبھی کبھی مجرموں کو اُس وقت پکڑتا ہوں جب وہ میرے گلے میں بانہیں ڈالے مجھے اپنی محبت کا یقین دلا رہے ہوں۔''

''اُس کے بھائی کا قصہ.....!'' تنویر نے استفہامیہ انداز میں پوچھا۔

''اُس کا بھائی.....!'' فریدی ایک طویل سانس لے کر بولا۔ ''اُس کا بھائی ابھی تک میری محافظت میں تھا اور شاید سوتیلی ماں اس وقت میرے سامنے کھڑی ہے۔''

''تم کیا..... جانو..... تم کیا جانو.....!'' اس نے مضطربانہ انداز میں فریدی کا ہاتھ پکڑ لیا۔

فریدی اسی طرح کھڑا رہا۔ اس نے ہاتھ چھڑانے کی کوشش نہیں کی۔

''میرے ذرائع لامحدود ہیں۔'' فریدی نے کہا۔

''مگر عدنان اس کے متعلق کچھ نہیں جانتا۔''

''نہ جانتا ہوگا..... میں نے ابھی تک اُس سے اس کا تذکرہ بھی نہیں کیا۔''

''میں ضرور مدد دونگی۔ تم جو کچھ بھی کہو، میں ان کتوں کی لاشیں دیکھنا چاہتی ہوں۔ انہوں نے خواہ مخواہ میری پرسکون زندگی میں زہریلے کانٹے بوئے۔ میں سب کچھ بھول گئی تھی۔''

''تمہیں براہِ راست پولیس سے مدد طلب کرنی چاہئے تھی۔''

''میں اپنی پرانی تاریک زندگی پر سے پردہ نہیں ہٹانا چاہتی تھی۔ تمہیں پورے حالات کا علم نہیں ہے شاید۔''

فریدی نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ اپنی کلائی کی گھڑی کیطرف دیکھتا ہوا بولا۔ ''میرے ساتھ آؤ..... وقت کم ہے۔'' پھر اُس نے باڈی گارڈ سے کہا۔ ''شنکر تم یہیں ٹھہرو گے۔''

''اچھا..... حضور..... والا.....!''

وہ تینوں اوپر آئے اور حمید نے محسوس کیا کہ وہ ابھی تک ایک تہہ خانے میں رہے ہیں۔

تنویر بڑبڑا رہی تھی۔ ''عدنان کو تہہ خانوں کا بھی علم نہیں تھا۔''

فریدی نے کہا۔ ''مجھے ان پُراسرار کمروں کا علم عدنان سے ہوا تھا۔ تہہ خانے میں نے دریافت کئے تھے۔ میری اسکیم دوسری تھی۔ یہاں اس طرح آنے کا ارادہ نہیں تھا جس طرح پہنچا ہوں۔ مگر میرے مخبروں نے خبر دی کہ کیپٹن حمید کو تمہاری کوٹھی سے برآمد ہوتے نہیں دیکھا گیا اور اس وقت شاید مجھے ایک منٹ کی بھی دیر ہوتی تو.....!''

''مجھے اس پر افسوس نہیں ہے۔'' تنویر نے سرد لہجے میں کہا۔ ''میں عدنان کو بچانا چاہتی تھی لیکن مڈونگا کی موت کے بعد مجھے اس کے بچ جانے کی بھی خوشی نہیں ہے۔ میں شروع ہی سے سمجھتی تھی کہ عدنان تمہارے قبضے میں ہے۔''

''چار خون تمہاری گردن پر..... زغالی کو بھی تم نے ہی گولی ماری تھی اور برقعہ زینوں پر پھینک گئی تھی۔''

''میری گردن پر سینکڑوں خون ہیں۔'' تنویر نے لاپروائی سے کہا۔ ''زغالی کو اس لئے مار دیا تھا کہ کہیں مڈونگا کی کہانی تم تک نہ پہنچ جائے۔ وہ اس سے واقف تھا۔''

حمید اس کی گفتگو پر عش عش کر رہا تھا۔ ایسی عورت آج تک اس کی نظر سے نہیں گذری تھی۔ ابھی ابھی اُسے ایک سنگین ترین جرم کرتے ہوئے پکڑا گیا تھا لیکن اب وہ اتنے سکون اور اتنی لاپروائی سے باتیں کر رہی تھی جیسے کسی ڈرامے کی ریہرسل میں حصہ لے کر لوٹی ہو۔

اوپر سارے کمرے ویران پڑے تھے۔ کہیں بھی کوئی نوکر نہیں دکھائی دیا۔ شاید تنویر نے انہیں چھٹی دے دی تھی۔

''میں نے یہی سمجھ کر عدنان کی گمشدگی کی رپورٹ درج کرائی تھی کہ وہ تم لوگوں کے قبضے میں ہے۔'' تنویر نے کہا۔

فریدی ایک کمرے میں رک گیا اور ایک کرسی کی طرف اشارہ کرتا ہوا بولا۔ ''بیٹھ جاؤ..... ابھی ہمیں آدھے گھنٹے تک انتظار کرنا پڑے گا۔''

''عدنان کہاں ہے..... میں اب اُس کے سامنے نہیں آنا چاہتی۔''

''میں خود نہیں چاہتا.....وہ تمہیں گولی مار دے گا۔''

تنویر کچھ نہ بولی۔ فریدی نے کہا۔ ''وہ میرے آدمیوں کے پاس محفوظ ہے۔''

''تم کیا کرنا چاہتے ہو۔''

''میں انہیں موقع پر گرفتار کرنا چاہتا ہوں کیونکہ اُن کے خلاف میرے پاس فی الحال ایک شہادت ہے وہ بھی مکمل نہیں ہے۔''

''موقع سے کیا مراد ہے۔''

''ان کا خیال ہے کہ عدنان کا اغواء محض افواہ ہے۔ وہ یہیں اسی کوٹھی میں کہیں موجود ہے۔ لہٰذا آج وہ تم دونوں کو ختم کر دینے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ تمہارے مُڈونگا کے لئے بھی وہ کافی انتظامات کے ساتھ آئیں گے ان کے ساتھ ایک بہت بڑا جال ہوگا۔ اب تم مجھے بتاؤ کہ یہ کیا قصہ ہے۔ ویسے تمہیں عدالت میں حاضر کر دینے کے لئے وہ ایک باڈی گارڈ ہی کافی ہوگا جو بچ گیا ہے اور تین لاشیں۔''

''تم بار بار اُس کا تذکرہ نہ کرو۔ میں کہہ چکی ہوں کہ میری گردن پر سینکڑوں کے خون ہیں۔ آج بھی افریقہ کے مشرقی ساحل کے لوگ سنالنی کے نام سے کانپتے ہیں۔''

''سنالنی.....!'' یک بیک فریدی کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں.....سنالنی.....سمندری ڈاکو، جس کا صحیح حلیہ کہیں کے سرکاری ریکارڈ میں موجود نہیں ہے۔''

''ہاں..... میں سنالنی ہوں۔'' تنویر غرائی۔ ''سنالنی تنوی..... میں نے درجنوں سرکاری جہاز لوٹے ہیں۔ جب میں اپنے قزاقوں سمیت کسی جہاز پر جا پڑتی تھی تو وہاں آگ خون اور چیخوں کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوتا تھا۔ میں سنالنی تنوی ہوں جس نے سفید فام جہاز رانوں کی زندگی تلخ کردی تھی۔ میری لاش کے لئے انگریزوں نے ایک لاکھ پونڈ کے انعام کا اعلان کیا تھا۔ تم آج بھی میری لاش انگریزوں کے حوالے کرکے ان سے یہ انعام حاصل کرسکتے ہو۔ ویسے اب شاید ہی انگلینڈ والوں کو یقین آئے کہ میں ہی سنالنی ہوں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ میں کسی مہم میں کام آ گئی۔''

''تم یہاں بہت دنوں سے ہو۔'' فریدی نے کہا۔

''ہاں..... میں یہاں اس وقت آئی تھی جب عدنان صرف ایک سال کا تھا اور اُسی ذلیل کی بدولت آئی تھی جس کے بیٹے نے یہاں بھی میری زندگی تلخ کردی۔ افریقہ کے مشرقی ساحل پر قزاقوں کے کئی گروہ کام کرتے تھے۔ میرا گروہ سب سے زیادہ طاقتور تھا۔ اکثر یہ گروہ آپس ہی میں ٹکرا جاتے اور اچھا خاصا کشت وخون ہوتا۔ ایک گروہ کا سردار بابر تھا۔ اسی سعید بابر اور عدنان کا باپ۔ ہم دونوں کے گروہ ایک بار آپس میں ٹکرا گئے۔ بابر کے گروہ کو شکست ہوئی۔ وہ گرفتار ہوکر میرے سامنے آیا۔ نہ جانے کیوں مجھے اس پر رحم آ گیا اور میں نے بابر سے باقاعدہ طور پر شادی کرلی۔ اُس نے مجھے بتایا تھا کہ وہ غیر شادی شدہ ہے کچھ دن وہ ساحل پر رہتا تھا اور کچھ دنوں کے لئے اندرون ملک میں چلا جایا کرتا۔ لیکن اس نے مجھے اپنا صحیح نام بابر بھی نہیں بتایا تھا۔ وہ شہباز کے نام سے مشہور تھا۔ میں کچھ اس طرح اس کی محبت میں ڈوبی ہوئی تھی کہ میں نے کبھی یہ جاننے کی کوشش ہی نہیں کی کہ وہ کون ہے۔ کہاں رہتا ہے! حالانکہ ٹدونگا نے مجھے شادی ہی کے موقع پر آگاہ کردیا تھا کہ شادی کا انجام اچھا نہیں ہوگا۔ میں نے اس کی بات پر دھیان نہ دیا۔ وہ ایک بہت بڑا جادوگر اور ستارہ شناس تھا۔ سینکڑوں میل دور سے طوفان کی بو سونگھ لیتا تھا۔ وہ ہاتھیوں کی طرح طاقت ور تھا۔ میرا غلام تھا۔ مجھ سے ڈرتا تھا۔

میرے پیر چاٹتا تھا۔ میں نے اس کا کہنا نہ سنا۔ بہر حال شادی ہوگئی۔ پھر عدنان پیدا ہوا.....اور مجھے شہباز کے بارے میں کچھ شکوک نے گھیر لیا۔ اکثر وہ تین تین ماہ غائب رہتا۔ ایک بار میں نے چھپ کر اس کا تعاقب کیا اور پھر یہ حقیقت مجھ پر کھلی کہ وہ نیروبی کا ایک باعزت تاجر ہے۔ بہت بڑا تاجر اور اس کا نام شہباز نہیں بلکہ بابر تھا اور یہی نہیں..... یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ شادی شدہ ہے۔ ایک لڑکے اور تین لڑکیوں کا باپ ہے۔ لڑکا اس وقت بارہ سال کا تھا۔ مجھ پر خون سوار ہوگیا۔ میں نے چاہا کہ بابر کو قتل کر دوں مگر اس بار مڈونگا نے مجھے بہت بڑی دھمکی دی۔ اُس نے کہا کہ اگر میں نے بابر کے خون میں ہاتھ رنگے تو وہ مجھے قتل کر دے گا۔ اس نے بتایا کہ بابر کا خون میرے لئے تباہی لائے گا۔ میں نے بابر کے سلسلے میں ایک بار اس کی بات نہیں مانی تھی اس کے لئے مجھے پچھتانا پڑا تھا۔ لہٰذا اب مجھے اس کی بات کو اہمیت دینی پڑی۔ میں نیروبی سے دل شکستہ واپس آئی۔ دل مردہ ہوگیا تھا اس لئے قزاقی ترک کر دی چونکہ میرا صحیح حلیہ سرکاری فائلوں میں موجود نہیں تھا اس لئے میں کچھ دنوں کے بعد یہاں تک پہنچنے میں کامیاب ہوگئی لیکن داخلہ باضابطہ طور پر نہیں ہوا۔ میں مڈونگا کو بھی اپنے ساتھ لائی تھی۔ چونکہ وہ عجیب الخلقت تھا اس لئے مجھے اس کو دوسروں کی نظروں سے چھپائے رکھنا پڑتا تھا۔ مڈونگا نے کبھی کسی حال میں میرا ساتھ نہیں چھوڑا۔ میرا دل زندگی کے آخری لمحات تک اس کیلئے روتا رہے گا۔“

تنویر ایک ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہوگئی۔

”مگر سعید بابر کو کیسے علم ہوا کہ تم اس کی سوتیلی ماں ہو۔ ظاہر ہے کہ بابر نے اپنے خاندان والوں سے یہ بات چھپائی ہوگی کہ اس نے دوسری شادی کر لی ہے۔ اگر یہ بات ہوتی تو وہ تمہیں اپنی اصلیت سے کیوں نہ آگاہ کرتا۔“

”آج سے دس سال پہلے بابر یہاں آیا تھا۔ اتفاقاً ایک جگہ مجھ سے ملاقات ہوگئی۔ وہ شکایات کا دفتر لے بیٹھا۔ میں نے اس سے کہا کہ خیریت اسی میں ہے کہ وہ مجھے بھول جائے اور سکون سے زندگی بسر کرنے دے ورنہ اس کا انجام بڑا دردناک ہوگا۔ میں اب بھی وہی سنائی ہوں جس کا نام مشرقی ساحل کی عورتیں اپنے بچوں کو ڈرانے کے لئے استعمال کرتی تھیں۔ بہر حال وہ مجھ سے متفق ہوگیا۔ لیکن میں جانتی ہوں کہ وہ مجھ سے بہت ڈرتا تھا اُس نے اپنے

بیٹے سے میرا اور عدنان کا تذکرہ ضرور کیا ہوگا کہ ہم دونوں اس کے لئے خطرناک بھی ثابت ہو سکتے ہیں۔ بہر حال جب اس کتے نے عدنان پر حملہ کیا تو میں سمجھ گئی کہ بابر کے خاندان کے کسی فرد نے اس سرزمین پر قدم رکھا ہے۔ کتے کی شکل و شباہت عدنان نے مجھے بتائی تھی اور اسی بناء پر میں نے یہ سوچا تھا۔ کیونکہ اس قسم کے کتے بابر کے علاوہ شاید ساری دنیا میں اور کسی کے پاس نہیں تھے۔ بابر کو کتوں کا شوق تھا اور وہ ان کی نسلوں پر مختلف قسم کے تجربے کیا کرتا تھا۔ کئی نسلوں کے ملاپ سے اس نے یہ نئی نسل پیدا کی تھی۔ یہ بڑے خطرناک اور انتہائی درجہ زہریلے تھے۔ اکثر وہ انہیں بحری حملوں میں استعمال کیا کرتا تھا۔"

"مگر یہ کتا تو داراب کے پاس تھا۔" فریدی نے کہا۔ "میں تصدیق کر چکا ہوں۔ وہی اُسے ایسے کاموں کے لئے استعمال بھی کرتا تھا۔"

"ہو سکتا ہے..... داراب اور بابر بہت پرانے دوست تھے۔ میجر داراب اب بھی بہت دنوں تک افریقہ میں رہ چکا ہے اور شائد اب بھی وہاں اس کی تجارت ہے۔ بہر حال سعید بابر اس کے بل بوتے پر یہاں آیا ہے..... اور داراب..... وہ ویسے بھی مجھ سے دشمنی رکھتا ہے۔ وہ بہت عرصہ سے مجھ سے شادی کرنے کا خواہش مند تھا میں نے اسے دھتکار دیا۔ ایک موقع پر اسکی بے عزتی بھی کی اور پھر وہ خاموش ہو رہا... لیکن.....!"

"آہا..... ٹھہرو.....!" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا اور ایسا معلوم ہوا جیسے وہ کچھ سننے کی کوشش کر رہا ہو۔ پھر وہ اٹھتا ہوا بولا۔ "تنویر! تم اپنی پوری قوت سے عدنان کو آواز دو۔ اسی طرح آواز دیتی ہوئی اوپری منزل پر چلو..... کہیں کی روشنی نہ جلانا..... چلو اٹھو..... یہ آخری مرحلہ ہے اس کے بعد مجرم ہمارے ہاتھوں میں ہوں گے۔"

"تم کیا کرنا چاہتے ہو۔"

"بس دیکھتی رہو..... اٹھو..... دیر نہ کرو.....!" فریدی نے حمید کو بھی اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ تنویر عدنان کو آوازیں دیتی ہوئی زینے طے کر رہی تھی۔ اچانک حمید نے عدنان کی بھی آواز سنی "میں یہاں ہوں ماں.....!"

آواز کے ساتھ ہی ایک کمرہ روشن ہوا۔ پھر شاید اُسی کمرے کی کسی کھڑکی کا شیشہ ٹوٹ

کر چھنچھناتا ہوا فرش پر آرہا۔

''بہت عمدہ.....'' فریدی بڑبڑایا۔ ''سب کچھ اندازے کے مطابق ہی ہو رہا ہے۔ آؤ..... تنویر واپس چلیں.....کام ہوگیا۔''

''کیا ہوگیا.....!''

''جس کمرے سے عدنان کی آواز آئی تھی وہاں کھڑکی کے قریب ایک مجسمہ رکھا ہوا تھا جیسے ہی کمرے میں روشنی ہوئی مجسمے کو عدنان سمجھ کر باہر سے کسی نے فائر کر دیا اور ظاہر ہے کہ اب فائر کرنے والا ہاتھوں ہاتھ یہاں لایا جا رہا ہوگا۔''

''کیا تمہارے آدمی یہاں موجود ہیں۔''

''تقریباً پچاس آدمی تاریک کمپاؤنڈ میں بکھرے ہوئے ہیں۔''

''اوہ! تم واقعی بہت اونچے آدمی ہو۔ بہت ذہین.....مگر اس کتے نے تم پر حملہ کیوں کیا تھا۔''

''سعید بابر میری طرف سے مطمئن نہیں تھا.....وہ جانتا تھا کہ میں اس کی مخالفت ہی میں تفتیش کرتا رہا ہوں۔''

وہ تینوں پھر نیچے آگئے۔

''اسٹڈی میں چلو.....!'' فریدی نے تنویر سے کہا۔ ''میرے آدمی انہیں وہیں لائیں گے۔''

اسٹڈی میں پہنچ کر وہ بیٹھنے بھی نہیں پائے تھے کہ باہر روش پر بہت سے قدموں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔

دوسرے ہی لمحے میں ایک جم غفیر اندر گھس آیا۔ یہ سادہ لباس والے تھے اور انہوں نے میجر داراب اور سعید بابر کو پکڑ رکھا تھا۔

''آہا.....کرنل صاحب۔'' دفعتاً سعید بابر نے خوشی کا نعرہ لگایا۔

''ہاں.....!'' فریدی نے سرد لہجے میں کہا۔ ''تم شاید یہ سمجھے ہوگے کہ یہ تنویر کے آدمی ہیں۔''

''جی ہاں.....ہم اُس گول سائے کا تعاقب کرتے ہوئے یہاں تک آئے تھے۔ وہ اندر گھسا اور ایک پائپ کے سہارے دیوار پر چڑھ ہی رہا تھا کہ میجر داراب نے اس پر فائر کر دیا۔ میرا دعویٰ ہے کہ وہ اسی عمارت میں رہتا ہے۔ یہیں.....اور اگر وہ یہیں رہتا ہے تو اس عورت

سے پوچھئے کہ میرے مفلوج بھائی نے اس کا کیا بگاڑا تھا۔ اس نے اُسے فٹ پاتھ پر کیوں سسکا کر مارا..... پوچھئے نا.....!''

''تم نے اس کے سائے کو یہاں کب دیکھا تھا۔''

''ابھی ابھی.....ابھی میجر داراب نے اس پر فائر کیا تھا.....دو منٹ بھی نہ گذرے ہوں گے۔''

''حالانکہ.....!'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''میں اُسے ایک گھنٹہ قبل ختم کر چکا ہوں۔ کیا تم سائے کی لاش دیکھو گے۔''

''اوہو! تو پھر وہ دوسرا.....!''

''دوسرا آج تک پیدا ہی نہیں ہوا سعید بابر۔'' فریدی بولا۔ ''اور سعید بابر.....اس عورت نے تمہارے بھائی کو جنم دیا تھا۔ وہ اسی کی گود میں پل کر جوان ہوا ہے اور تمہاری جائیداد میں سے اُسے آدھا حصہ یقینی طور پر ملے گا۔''

''پتہ نہیں آپ کیا کہہ رہے ہیں۔''

''تم بیکار اپنا وقت برباد کر رہے ہو۔'' داراب نے سعید سے کہا۔ ''یہ لوگ ہمیں کسی جال میں پھانسنے کی کوشش کر رہے ہیں۔''

اچانک حمید نے داراب کی پیٹ میں ایک گھونسہ رسید کر دیا اور جیسے ہی وہ چیخ مار کر دوہرا ہوا دونوں ہاتھوں کے گھونسے اس کے شانوں پر پڑے اور وہ منہ کے بل فرش پر گر گیا۔

''ہائیں..... ہائیں.....کپتان صاحب۔'' سعید بابر بولا اور حمید کا الٹا ہاتھ اس کے گال پر پڑا۔

''تم لوگ مفت میں مجھے رات بھر جگاتے رہے ہو۔'' حمید غرایا۔

داراب اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس بار حمید نے اس کے سر پر ٹھوکر ماردی اور وہ اُسے گالیاں دیتا ہوا دوبارہ ڈھیر ہو گیا۔

''سعید بابر.....!'' فریدی بولا۔ ''دلسلی براؤن میری قید میں ہے اور اس نے اعتراف کر لیا ہے۔ اُس کے ایک پاسپورٹ کی تصویر میک اپ میں تھی۔ تم نے بڑا پُراسرار ڈرامہ کھیلا تھا اور یہ بتانے کی ضرورت نہیں رہ جاتی کہ تم دونوں کے پاسپورٹ جعلی تھے۔ تم بہت دنوں سے

یہاں آ گئے تھے۔ تم ہی فقیر بن کر سڑکوں پر بھیک مانگتے پھرتے تھے پھر ایک دن تم مر گئے۔ تم نے پہلے ہی کسی رشید بابر کے نام یہاں کے بینکوں میں رقمیں منتقل کرنی شروع کر دی تھیں۔ مقصد یہ تھا کہ تم یہاں اپنے کسی بھائی کی موجودگی ظاہر کرنا چاہتے تھے۔ پھر اس کا بھی اعلان چاہتے تھے کہ وہ بھائی مر گیا اور تم اب اپنے باپ کی جائیداد کے تنہا مالک ہو۔ تمہیں خدشہ تھا کہ کبھی نہ کبھی تنویر یا عدنان تمہاری افریقہ والی جائیداد کے دعویدار بن جائیں گے۔ بس تم نے فقیر کا بہروپ اختیار کر لیا۔ کچھ اس قسم کی صدائیں لگاتے رہے کہ لوگ تم میں دلچسپی لینے لگے۔ یہ تم نے اس لئے کیا تھا کہ تمہاری شکل و شباہت اُن کے ذہن نشین ہو جائے۔ لہٰذا یہی ہوا۔ جب تمہاری تصویر اخبارات میں چھپی تو لوگوں میں حیرت پھیل گئی۔ جب تم نے اپنے بھائی کی کہانی چھیڑی تو کم از کم مجھے بھی یقین ہو گیا کہ وہ تمہارا بھائی ہی رہا ہوگا۔ تم جانتے تھے کہ تنویر سب کچھ سمجھ جائے گی لیکن تمہارے خلاف کوئی قانونی کاروائی نہ کر سکے گی۔ کیونکہ ایسی صورت میں خود اس کی بھی پول کھل جائے گی۔ تم تو دراصل تنویر کے مرنے کے بعد عدنان کے کسی اقدام کے امکانات پر غور کر رہے تھے۔ تمہاری دانست میں تنویر مرتے وقت ہی عدنان کو اس راز سے آگاہ کر کے کاغذات اُس کے سپرد کرتی۔ تم نے ٹھیک سوچا تھا۔ تنویر حقیقتاً اس بکھیڑے کو اپنی زندگی میں نہ اٹھنے دیتی۔ ہاں تو تم ایک فائر سے دو شکار کرنا چاہتے تھے۔ عدنان کی موت..... اور تمہارے بھائی کی موت کی سرکاری طور پر تصدیق..... اگر ان میں سے ایک کام بھی ہو جاتا تو تمہاری دولت ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو جاتی اور عدنان کو تم قتل نہ کر سکتے، تب بھی تمہارا کام بن جاتا۔ اگر عدنان کبھی یہ جھگڑا اٹھاتا بھی تو تم یہ کہہ دیتے کہ یہ آدمی یقیناً اس پارٹی سے تعلق رکھتا ہے جو تمہارے بھائی کی موت کی ذمہ دار تھی۔ تم نے شروع ہی سے ہمیں یہ باور کرانے کی کوشش کی تھی کہ کچھ لوگ تمہیں زبردستی یہاں سے واپس بھیجنا چاہتے ہیں۔ اُس دن جب تم کیپٹن حمید کو اپنی روداد سنا رہے تھے تم پر ایک فائر ہوا تھا۔ ظاہر ہے کہ فائر تمہارے ہی کسی آدمی نے کیا ہوگا۔ پھر لسلی براؤن والا اسٹنٹ سامنے آیا اس کا مقصد بھی محض حالات کو پُراسرار بنانا تھا۔ یعنی تمہاری پُراسرار داستان تمام میں پھیل جائے۔ دوسری طرف تم ہمیں یہ سمجھانا چاہتے تھے کہ تمہارے بھائی کی موت کے ذمہ دار لوگوں کی حمایت سے لسلی براؤن کا

بھی تعلق ہے اور تمہیں خوف زدہ کرنے کے لئے تمہارے پیچھے لگ رہی ہے تاکہ تم ان حالات سے گھبرا کر یہاں سے بھاگ نکلو۔ آخیر میں ہوتا یہ کہ ایک دن لسلی بھی غائب ہوجاتی اور تم چوری کی رپورٹ میں ایک بھاری رقم درج کرا دیتے۔ تمہارا کیس اور زیادہ تقویت پا جاتا اور ہمیں اس نتیجے پر پہنچنا پڑتا کہ وہ فقیر حقیقتاً تمہارا بھائی تھا اور ہم اُس کی موت کی تصدیق کر دیتے۔"

"کیا آپ مجھے کوئی جاسوسی ناول سنا رہے ہیں۔" سعید بابر مسکرا کر بولا۔ "یعنی میں ہی اپنا بھائی بنا تھا اور پھر مر بھی گیا..... اور اب یہاں کھڑا جاسوسی ناول سن رہا ہوں۔"

"ابھی راحلہ سے تمہاری شادی نہیں ہوئی۔" فریدی نے سرد لہجے میں کہا۔

"اس جملے اور اس داستان کا تعلق بھی واضح فرما دیجئے۔" سعید بابر مسکرا کر بولا۔

"ابے بندر کے بچے.....!" حمید جھنجھلا کر بولا۔ "اپنی یہ مسکراہٹ بند کردو، ورنہ داراب کی طرح تمہیں بھی بیہوش کردوں گا۔"

"تہذیب کو ہاتھ سے نہ جانے دیجئے۔" سعید نے سرد لہجے میں کہا۔ "ابھی آپ میرے خلاف کوئی جرم ثابت نہیں کر سکے۔"

"کیا راحلہ کو یہ نہیں معلوم تھا۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "کہ تم حبس دم کے ماہر ہو۔ تم نے یہ فن ایک ہندو یوگی سے سیکھا تھا۔ تم نے راحلہ کو بھی اپنے جال میں پھانسنے کی کوشش کی تاکہ وہ تمہارے اس کمال کا تذکرہ کسی سے نہ کرے۔ تمہیں صرف تین چار گھنٹے کے لئے مردہ بننا پڑا تھا۔ حبس دم کے ماہر تو کئی کئی ہفتے زمین میں دفن رہتے ہیں اور پھر زندہ نکل آتے ہیں۔ دوسری بات یہ کہ تمہاری لاش کے ساتھ تین دوسری لاشیں بھی میڈیکل کالج کو بھیجی گئی تھیں۔ لیکن وہاں صرف تین پہنچیں۔ مردہ گاڑی کھینچنے والوں کو بھی اس پر حیرت تھی۔ اُن کا بیان ہے کہ انہوں نے چار لاشیں سول ہسپتال کے مردہ خانے سے اٹھائی تھیں لیکن جب انہوں نے میڈیکل کالج میں گاڑی کھولی تو اُس میں تین ہی برآمد ہوئیں۔ اُن سے حماقت یہ ہوئی تھی کہ وہ گاڑی کو ایک گلی میں کھڑی کر کے ایک جگہ چرس کے دم لگانے کے لئے رک گئے تھے۔ اسی دوران میں تم گاڑی سے نکل بھاگے، انہوں نے اس کا تذکرہ کسی سے نہیں کیا لیکن جب میں

نے تفتیش شروع کی تو انہیں اُگلنا ہی پڑا اور پھر میں نے نیروبی سے بھی تحقیق کی ہے۔ جس دم کی کہانی وہاں کا سراغ رساں بھی سناتا ہے۔ ویسے وہ تمہارے کسی دوسرے بھائی کے وجود کے متعلق خاموش ہے۔ اس کی دانست میں تمہارا کوئی سوتیلا بھائی ہو بھی سکتا ہے اور نہیں بھی ہوسکتا کیونکہ تمہارا باپ ایک عیاش آدمی تھا۔ بہرحال میں تمہیں اس سارے فراڈ کے الزام میں حراست میں لیتا ہوں اور تم نے یا داراب نے اس وقت عدنان پر گولی چلائی تھی۔“

پھر اُس نے سادہ لباس والوں میں سے ایک کو مخاطب کر کے کہا۔ ”اسکے ہتھکڑیاں لگادو۔“

سعید بابر خاموش تھا۔

فریدی نے بیہوش داراب کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ”میں اسے اس لئے حراست میں لیتا ہوں کہ اس نے ایک رات اُسی زہریلے کتے کے ذریعہ میری زندگی کا خاتمہ کرنے کی کوشش کی تھی۔“

اچانک کمرے میں فائر کی آواز گونجی اور انہوں نے تنویر کو زمین پر گرتے دیکھا۔ اس کے ہاتھ میں چھوٹا سا پستول تھا۔ فریدی اس کی طرف جھپٹا۔

”فریدی بیٹے!“ وہ آہستہ آہستہ کہہ رہی تھی۔ ”میں نے تمہارے ..... کہنے کے مطابق خودکشی کرلی..... میں نے اپنے پستول میں اُوف..... یہ گولی..... اسی لئے بچائی تھی..... میں یہ گولی ..... کسی وقت..... تم پر بھی..... اُوف ..... اس .....استعمال کرسکتی تھی۔ مگر ..... بیٹے میں تمہیں عدنان کا سرپرست سمجھتی ہوں..... وہ تمہیں بہت پسند کرر..... تا..... ہاف.....!“

اس کی گردن ایک جھٹکے کے ساتھ بائیں طرف جاپڑی۔

”تم بھی بھول گئے تھے کہ پستول اسی کے پاس ہے۔“ فریدی نے حمید سے کہا۔

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ آنکھیں پھاڑے تنویر کی لاش کو گھور رہا تھا۔

کمرے کی فضا بوجھل سی ہوگئی تھی اور قریب ہی کہیں ایک کتا رو رہا تھا۔

ختم شد